بدعت
اور امت پر اسکے برے اثرات

تالیف: فضیلۃ الشیخ ابو اسامہ سلیم الہلالی حفظہ اللہ

ترجمہ

ابو المکرم سلفی رحمۃ اللہ

تصحیح و تنقیح

حافظ ندیم ظہیر

دار الکتب الاسلامیہ دہلی
DARUL KUTUB AL ISLAMIA DELHI

بِدعت
اور امّت پر
اُسکے بُرے اثرات

تالیف
فضیلۃ الشیخ ابو اُسامہ سلیم الہلالی حفظہ اللہ

ترجمہ: أبو المکرم سلفی
تصحیح وتنقیح: حافظ ندیم ظہیر

دار الکتب الاسلامیۃ، دھلی

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب : بدعت اور امت پر اس کے بُرے اثرات
تالیف : فضیلۃ الشیخ ابو اُسامہ سلیم الہلالی حفظہ اللہ
ترجمہ : مولانا ابو المکرّم سلفی رحمۃ اللہ
ناشر : دار الکتب الاسلامیہ دہلی
تعداد : گیارہ سو
سن اشاعت : ستمبر 2012ء
قیمت : -/50 روپے

ملنے کا پتہ
دار الکتب الاسلامیہ
اردو مارکیٹ
419، مٹیا محل، جامع مسجد، دہلی
فون: 011-23269123
E-mail : darulkutub@hotmail.com

سعودی عرب میں رابطہ
محمد عاقل
پوسٹ بکس نمبر 8928، جدہ سعودی عرب
موبائل: 00966-504686317
E-mail : mohammedaqil@hotmail.com

فہرست

- حرفِ اول ---------- 5
- تقدیم ---------- 10
- مقدمہ مؤلف ---------- 13
- بدعت کی تعریف ---------- 15
- بدعت کا شرعی مفہوم ---------- 17
- استحسان شریعت ایجاد کرنا ہے ---------- 18
- ہر بدعت گمراہی ہے ---------- 23
- بدعت، حسنہ نہیں ہوسکتی ---------- 27
- بدعت حسنہ کے قائلین کے دلائل اور ان کا جائزہ ---------- 37
- قرآن مجید کی جمع وتدوین ---------- 55
- بدعت کی تقسیم ---------- 61
- امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ---------- 63
- بدعت کی معرفت ضروری ہے ---------- 66
- بدعت سازی کے اسباب ---------- 71
- اہل بدعت کا عبرتناک انجام ---------- 74
- اہل بدعت سے اجتناب ---------- 79

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض ناشر

نحمده و نصلی علیٰ رسوله الکریم، اما بعد

بدعت کی تعریف، بدعت کے امت پر برے اثرات، بدعت کا شرعی مفہوم، بدعتی کی حیثیت، بدعت حسنہ اور سئیہ کی تقسیم وغیرہ یہ سب جاننے کے لئے اس کتاب کا مطالعہ فرمائیں۔

یہ کتاب محدث کبیر علامہ ناصر الدین البانی رحمۃ اللہ کے شاگرد رشید فضیلۃ الشیخ ابو اسامہ سلیم الہلالی حفظ اللہ کی تالیف ہے، محترم شیخ ہلالی حفظہ اللہ سلفی منہج کے عظیم داعی و مبلغ ہیں، موصوف کی تحریریں نہایت سادہ عام فہم اور کتاب وسنت کے دلائل سے مدلل ہوتی ہیں یہ کتاب مختصر ہونے کے باوجود اپنے موضوع پر نہایت عمدہ اور مدلل تحریر ہے۔

جماعت کے فاضل نو جوان عالم مولانا ابو المکرم سلفی رحمۃ اللہ نے اس کا اردو ترجمہ کیا ہے، مولانا ابو المکرم سلفی رحمۃ اللہ کم عمری ہی میں اپنے مالک حقیقی سے جا ملے، موصوف نے کم عمری ہی میں علمی دنیا میں اپنا مقام بنا لیا تھا، تصنیف و تالیف اور ترجمہ کے شعبہ میں ان پر مکمل بھروسہ کیا جاتا تھا۔ اسی طرح کتاب کے مؤلف اور مترجم دونوں علمی حلقوں میں معروف اور معتبر تسلیم کئے جاتے ہیں۔

دار الکتب الاسلامیہ نے موضوع کی اہمیت کے پیش نظر اس کتاب کو معیاری انداز میں شائع کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ دعا ہے کہ رب العالمین اس کتاب کے ذریعہ افراد امت کو بدعت و خرافات سے بچنے اور طریق محمدی پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، اور مؤلف و مترجم اور ناشر کو اجر عظیم سے نوازے۔ آمین

و صلی اللہ علی نبینا محمد و اله و اصحابه وسلم

شکیل احمد میرٹھی
دار الکتب الاسلامیہ، دہلی

حرفِ اول

الحمد لله رب العالمين والصلوٰة والسلام علىٰ رسوله الأمين، أما بعد:

دنیائے جہاں میں بہت زیادہ ادیان ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللهِ الْإِسْلَامُ ﴾ (۳/ آل عمران: ۱۹)

”بے شک اللہ کے نزدیک دین اسلام ہی ہے۔“

یہی وہ دین ہے جس کی تکمیل اللہ رب العزت نے محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعے سے فرمائی اور اسے اپنا پسندیدہ دین قرار دیا۔ ارشاد ہے:

﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ﴾ (٥/ المآئدة: ٣)

”آج میں نے تمہارے لیے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنا انعام بھرپور کر دیا اور تمہارے لیے اسلام کے دین ہونے پر رضامند ہو گیا۔“

اب جو کوئی اس کامل و جامع دین کو چھوڑ کر اِدھر اُدھر ٹامک ٹوئیاں مارے گا، بزعم خود وہ کتنے ہی اچھے امور سرانجام دے لے، آخرت میں ذلت و رسوائی کے علاوہ اسے کچھ حاصل ہونے والا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ ﴾ (۳/ آل عمران: ۸۵)

”جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کو پسند کرے تو اس کا دین قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان پانے والوں میں ہو گا۔“

نیز فرمایا:

﴿ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۝ تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً ۝ ﴾ (۸۸/ الغاشية: ۳، ٤)

"یعنی وہ عمل کر کر کے تھکے ہوئے ہوں گے (لیکن) وہ دہکتی ہوئی آگ میں جائیں گے۔"

دینِ اسلام کی جامعیت کا یہ عالم ہے کہ کتاب وسنت کی تعلیمات زندگی کے ہر شعبے کا احاطہ کیے ہوئی ہیں۔ سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بعض مشرکین ان کا مذاق اڑانے لگے، ایک مشرک نے کہا: میں دیکھتا ہوں کہ تمہارا ساتھی (محمد ﷺ) تمہیں سب کچھ سکھاتا ہے حتی کہ قضائے حاجت کے آداب بھی۔ سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں، آپ ﷺ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم (قضائے حاجت کے وقت) قبلہ کی طرف منہ نہ کریں، اور دائیں ہاتھ سے استنجا نہ کریں اور تین پتھروں سے کم استعمال نہ کریں، ان میں لید یا ہڈی شامل نہ ہو۔ (صحیح مسلم: ٢٦٢؛ سنن ابن ماجه: ٣١٦ واللفظ له)

اس حدیث میں ان لوگوں کے لیے لمحہ فکریہ ہے جو بدعات واختراعات کو دین کا جزء لاینفک بنانے پر تلے ہوئے ہیں۔ جس دین میں قضائے حاجت کے آداب تک بتادیے گئے ہیں، اس میں دین وایمان کے بنیادی احکام کس طرح نظر انداز ہو سکتے ہیں۔ اہل بدعت کا بدعت کی ترویج میں کوشاں ہونا اس بات کا ثبوت فراہم کرتا ہے کہ ان کے نزدیک نبی کریم ﷺ نے لوگوں تک مکمل دین نہیں پہنچایا بلکہ کچھ چھپالیا ہے۔ (العیاذ بالله)

ایک طویل حدیث میں ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جو شخص یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ پر جو نازل کیا تھا، اس میں سے آپ نے کچھ چھپالیا تھا، تو وہ جھوٹا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلرَّسُولُ بَلِّغْ مَآ أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ ۖ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُۥ ۚ﴾ (٥/ المائدة: ٦٧)

"اے رسول! جو کچھ بھی آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے پہنچا دیجیے! اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اللہ کی رسالت کا حق ادا نہیں کیا۔" [دیکھئے صحیح بخاری: ٤٦١٢ وصحیح مسلم: ١٧٧]

بدعت اور اہلِ بدعت کی مذمت احادیث میں

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”بلاشبہ بہترین بات کتاب اللہ کی ہے اور بہترین طریقہ محمد ﷺ کا طریقہ ہے۔ امور میں سب سے برا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔
(صحیح مسلم: ٨٦٧)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُورِ، فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ))

(سنن ابی داود: ٤٦٠٧؛ سنن الترمذی: ٢٦٧٦ وسندہ صحیح)

”نئی نئی بدعات سے اپنے آپ کو بچائے رکھنا، بلاشبہ ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔“

اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا: ”جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس پر ہمارا حکم نہیں تو وہ کام مردود ہے۔“ (صحیح مسلم: ٤٤٩٣)

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ أَحْدَثَ فِي دِينِنَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ))

”جس نے ہمارے دین میں ایسی بات نکالی جو اس میں موجود نہیں تو وہ مردود ہے۔“

(جزء فیه من حدیث لُوَین: ٧١، شرح السنة للبغوی: ١٠٣ و سنده حسن)

بدعت اس قدر شنیع عمل ہے کہ اس کے مرتکب کے بارے میں رحمۃ للعالمین نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ وَقَّرَ صَاحِبَ بِدْعَةٍ فَقَدْ أَعَانَ عَلٰى هَدْمِ الْإِسْلَامِ))

”جس نے کسی بدعتی کی عزت کی تو اس نے اسلام گرانے میں مدد دی۔“

(الشريعة للآجری: ٢٠٤٠ وسنده صحيح)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إن اللّٰہ حجب التوبة عن صاحب كل بدعة))

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ بدعتی کو توبہ (کی توفیق) سے محروم کر دیتا ہے۔''

(المعجم الاوسط للطبرانی:٤/ ٢٨١، رقم:٤٢٠٢ وسندہ صحیح، مسند اسحاق بن راھویہ:١/ ٣٧٧، الاحاد والمثانی:٥/ ٣٣١)

ہمارے معاشرے میں کتنے ہی ایسے لوگ ہیں جنہیں دلائل کی رُو سے معلوم ہو چکا ہے کہ بدعت ایک سنگین جرم اور گناہ ہے، لیکن وہ اسے چھوڑنے کے لیے تیار نہیں بلکہ اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں، کیوں؟ کیونکہ وہ توبہ کی توفیق سے محروم ہو چکے ہیں۔

بدعت اور اہل بدعت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نظر میں

نافع رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہو کر کہا: فلاں شخص آپ کو سلام کہتا ہے۔ انہوں نے فرمایا: مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ بدعتی ہو گیا ہے، اگر (یہ بات درست ہے کہ) وہ بدعتی ہو گیا ہے تو اسے میرا سلام نہ کہنا۔

(سنن ابی داود: ٤٦١٣؛ سنن الترمذی: ٢١٥٢ و سندہ حسن)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کے کام کو ہلاکت خیز قرار دیا اور انہیں اس سے منع کیا جو مسجد میں نئے طریقے سے ذکر و اذکار کا سلسلہ شروع کر رہے تھے۔

(دیکھئے سنن الدارمی: ١/ ٢٨٦، ٢٨٧، رقم:٢١٠)

بدعت اور اہل بدعت محدثین و علمائے امت کی نظر میں

بقیہ بن ولید رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے کہا: اے ابو محمد! اُن لوگوں کے بارے میں کیا کہتے ہو جو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے بغض رکھتے ہیں؟ میں نے کہا: یہ بُرے لوگ ہیں۔ انہوں نے فرمایا: کوئی بدعتی ایسا نہیں جسے تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی حدیث سناؤ جو اس کی بدعت کے خلاف ہو تو وہ حدیث سے بغض نہ رکھے۔

(الطیوریات:٤/ ١٣٧٨، رقم:١٣٤٤ وسندہ حسن)

امام فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: بے شک اللہ کے فرشتے ذکر کے حلقے تلاش کرتے رہتے ہیں، لہٰذا دیکھو کہ تمہارا اٹھنا بیٹھنا کس کے ساتھ ہے؟ بدعتی کے ساتھ نہ ہو،

کیونکہ اللہ ان کی طرف نہیں دیکھتا، اور نفاق کی علامت یہ ہے کہ آدمی کا اٹھنا بیٹھنا بدعتی کے ساتھ ہو۔

(الطیوریات:۲/ ۳۱۸، رقم:۲۵۸ و سندہ حسن، حلیۃ الاولیاء:۸/ ۱۰۴ و سندہ صحیح)

امام فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے مزید فرمایا: جس نے کسی بدعتی کی مدد کی تو اس نے اسلام گرانے میں مدد کی۔ (حلیۃ الاولیاء: ۸/ ۱۰۳ و سندہ صحیح)

نیز آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میں نے دیکھا کہ سارے بہترین لوگ اصحاب سنت تھے اور وہ اہل بدعت سے (ملنے جلنے کو) منع کرتے تھے۔

(حلیۃ الاولیاء:۸/ ۱۰۴ و سندہ صحیح)

جلیل القدر تابعی ابوقلابہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''بدعتی لوگ گمراہ ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ وہ جہنم میں جائیں گے۔'' (سنن الدارمی: ۱۰۱ و سندہ صحیح)

سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک شاگرد کو کسی بدعتی کے پاس بیٹھے دیکھا تو فرمایا: اس کے پاس ہرگز نہ بیٹھو۔ (سنن الدارمی: ۳۹۸ و سندہ صحیح)

قارئین کرام! ہم نے انتہائی اختصار کے ساتھ بدعت کی تردید میں چند دلائل صفحہ قرطاس پر منتقل کیے ہیں، مزید آپ زیر نظر کتاب ''بدعت اور امت پر اس کے برے اثرات'' کا مطالعہ کریں جس میں بدعت کی تعریف اور اس کے بارے میں اعتراضات و اشکالات کے مدلل و مسکت جوابات اور وہ سب کچھ جو آپ اس موضوع پر پڑھنا چاہتے ہیں۔ (ان شاء اللہ) کتاب کے مؤلف عالم عرب کے مشہور محقق فضیلۃ الشیخ ابو اسامہ سلیم بن عید الہلالی حفظہ اللہ ہیں، جن کے بارے میں مجھ ناچیز کا کچھ کہنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہوگا۔

آخر میں محترم مولانا محمد سرور عاصم حفظہ اللہ اور ان کے رفقاء کے لیے دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ انہیں دنیا و آخرت میں سرخرو فرمائے، (آمین) جو کتاب و سنت کی اشاعت ایک مشن کے تحت سرانجام دے رہے ہیں۔ اللھم زد فزد

حافظ ندیم ظہیر

بلال ٹاؤن، لاہور

تقدیم

دین اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات اور شعبہ ہائے زندگی کے لیے دستور العمل ہے اور نبی کریم ﷺ کی حیات مبارکہ ایک بہترین نمونہ اور اسوۂ حسنہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کوئی چیز ایسی نہیں جو تمہیں جنت کے قریب اور جہنم سے دور کرے لیکن میں نے تمہیں اس پر عمل پیرا ہونے کا حکم دیا ہے، اور کوئی چیز ایسی نہیں جو تمہیں جہنم کے قریب اور جنت سے دور کرے، لیکن میں نے تمہیں اس سے روک دیا ہے۔ ①

ایک دوسری حدیث کا مفہوم ہے کہ ”میری امت بنی اسرائیل کے نقشِ قدم پر چل پڑے گی اور جس طرح بنی اسرائیل ۷۲ فرقوں میں منقسم ہو گئے تھے میری امت بھی ۷۳ فرقوں میں بٹ جائے گی۔ ان میں وہی لوگ کامیاب وکامران اور نجات یافتہ ہوں گے جو میرے طریقہ اور اسوۂ حسنہ پر گامزن رہیں گے۔“ ②

آج جب ہم اپنے گردوپیش کے ماحول اور امت مسلمہ کے حالات کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں مذکورہ بالا حدیث رسول ﷺ کی اس پیشین گوئی کی تکمیل ہوتی نظر آ رہی ہے۔

ہمارے معاشرے میں بہت سارے امور اور باتیں ایسی نظر آئیں گی، جن کا سنتِ رسول اللہ ﷺ یا دین سے کوئی تعلق نہیں مگر ہم دیکھ رہے ہیں کہ رواداری میں اسے انجام بجالانے میں کوئی قباحت محسوس نہیں ہوتی۔ بہت ساری ایسی باتیں ہماری چشم پوشی اور غفلت وتساہل کے پیش نظر دین کا ایک جزو بنتی نظر آ رہی ہیں۔

جب کہ ہر وہ کام جس کو دین میں باعث اجر وثواب سمجھ کر کیا جائے اور دین میں اس کا کوئی حکم نہ ہو تو وہ بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ پورے طور پر کتاب وسنت پر عمل پیرا ہو اور گمراہی اور بدعت سے اجتناب وپرہیز کرے اور اس کے لیے یہ بھی بے حد ضروری ہے کہ وہ معاشرے

---

① صحیح، مصنف ابن ابی شیبہ، ٧/ ٧٩، ح: ٣٤٣٣٢؛ کتاب العلل للدارقطنی، ٥/ ٢٧٣، ح: ٨٧٥؛ شعب الایمان للبیہقی، ٧/ ٢٩٩، ح: ١٠٧٦؛ شرح السنة للبغوی: ٤١١١۔

② حسن، سنن الترمذی: ٢٦٤١۔

میں پھیلی برائیوں، اوہام وخرافات اور بدعات ومنکرات کو جاننے کی کوشش کرے جو ایک سوسائٹی کے لیے دائے عضال اور سم قاتل سے کم نہیں۔

حضور اکرم ﷺ کے رفقائے کرام اور صحابہ عظام، امامان دین، ائمہ ہدیٰ اور سلف صالحین کا یہ خصوصی امتیاز رہا ہے کہ وہ قرآن وحدیث پر سختی سے عمل پیرا ہوتے اور بدعت سے مکمل طور پر اجتناب کرتے، کیونکہ دین میں داخل کردہ نئے امور جس پر حضور اکرم ﷺ کا کوئی حکم نہیں ان کے نزدیک بدعت ہے اور ہر بدعت ضلالت وگمراہی ہے جو موجب ہلاکت ہے۔

مسلم معاشرے اور سوسائٹی خصوصاً ہمارے ماحول میں اپنے گردوپیش غیر مسلم اثرات کے زیر اثر اوہام وخرافات اور بدعات ومنکرات کا جس قدر دائرہ وسیع ہوتا جارہا ہے اور نت نئی برائیوں کی جڑیں مضبوط ہورہی ہیں، اس کے لیے ضروری ہے کہ مسلمان خصوصاً ہمارا نوجوان اور تعلیم یافتہ طبقہ سنت رسول ﷺ کی اہمیت کو سمجھے اور اس پر عمل پیرا ہو، اور ان امور کو جانے جن پر منکر اور بدعت کا اطلاق ہوتا ہے، تاکہ وہ اس کی حقیقت کو سمجھ کر اس سے اجتناب وپرہیز کرے اور اوہام وخرافات سے دور رہے۔

زیر نظر کتاب میں بدعت، اس کے مضر اثرات اور امت مسلمہ کے لیے اس کے بھیانک خطرات کے بارے میں انتہائی خوش اسلوبی اور مدلل طریقہ سے بیان کیا گیا ہے اور بات اس انداز سے پیش کی گئی ہے کہ ہر ذی شعور انسان اس کو بخوبی سمجھ سکے، بات کا انداز علمی اور پراثر ہے جس میں نہ تو حد سے زیادہ طوالت ہے اور نہ ہی بہت زیادہ اختصار کہ قاری کی طبیعت میں اکتاہٹ پیدا ہو یا وہ بات سے مطمئن نہ ہو پائے۔

کتاب کی علمی وجاہت اور حیثیت کے لیے یہی کافی ہے کہ اس کے کاتب محدث عصر حاضر بیہقی دوراں علامہ محمد ناصرالدین الالبانی رحمۃ اللہ علیہ کے تربیت یافتہ اور شاگرد رشید، شباب نشأ فی عبادۃ اللہ کی جیتی جاگتی تصویر، ہمارے نوجوان فاضل دوست اور سلفی عقیدہ وفہم کے ساتھی شیخ ابواسامہ سلیم الہلالی (اردنی) ہیں، جو اپنے علمی اسلوب تحریر، عقیدہ وفکر کی صلابت کے پیش نظر علمی دنیا میں ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔

کتاب کو اردو قالب میں ہمارے عزیز دوست فاضل نوجوان مولانا ابوالمکرم سلفی نے ڈھالا ہے جو تحریر و ترجمہ کا ایک خاصہ ذوق رکھتے ہیں۔

الدار العلمیہ کی جانب سے شائع کردہ ان کی مترجم بعض تحریریں جماعتی و علمی حلقوں میں داد تحسین حاصل کر چکی ہیں۔

زیر نظر کتاب کے ترجمہ کے ساتھ ساتھ انہوں نے کتاب میں وارد آیات قرآنیہ اور احادیث کے حوالہ جات کا بھی ذکر کر دیا ہے۔ جس سے اس تحریر کی علمی قیمت میں مزید اضافہ ہو گیا، جو فاضل مترجم کے تحقیقی ذوق کی عکاسی کرتی ہے۔

امید ہے کہ اس کتاب کو علمی حلقوں میں بنظر تحسین دیکھا جائے گا۔ جو اپنے اختصار اور جامعیت کے پیش نظر ہمارے نوجوانوں کے لیے علمی تحفہ سے کم نہیں ہے۔

دعا ہے کہ ربّ العالمین ردِ بدعت میں ہماری اس ادنیٰ سی کوشش کو کامیاب کرے۔ جو اصلاح امّت اور اس کی دینی و دنیوی فلاح و نجات کا ذریعہ ہو، شاہراہ سنت سے دور، صراط مستقیم سے منحرف، بدعات و خرافات اور رسوم قبیحہ میں منہمک لوگوں کے لیے ہدایت کا ذریعہ بنے اور علم دوست اور تحقیق طلب نوجوان اس سے اپنی علمی تشنگی دور کر سکے۔

اللهم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه۔

عبدالوہاب خلجی
(فاضل اسلامی یونیورسٹی مدینہ)
ڈائریکٹر جنرل: الدار العلمیہ دہلی
[دہلی، تاریخ: ۲۹/۱۱/۱۴۰۹ھ ۳/۷/۱۹۸۹ء]

مقدمہ مؤلف

إن الحمدلله نحمده و نستعينه و نستغفره، و نعوذ بالله من شرور أنفسنا و من سيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضل له و من يضلل فلا هادی له، و أشهد ان لا اله إلا الله وحده لا شريك له وأشهد أن محمدًا عبده و رسوله۔

أما بعد: فإن خير الحديث كتاب الله، وخير الهدی هدی محمد ﷺ، وشر الأمور محدثاتها وكل بدعة ضلالة۔*

امت مسلمہ کا اہل علم طبقہ طلوع اسلام سے ہی بدعت کے خطرات سے غافل نہیں رہا، بلکہ انہوں نے اس پر کڑی نگاہ رکھی اور اس موضوع کو ایک مستقل حیثیت دے کر گرانقدر اور ضخیم علمی کتابیں تالیف کیں، ان کتابوں کی قدر و قیمت کا اندازہ وہی حضرات کر سکتے ہیں جو ان کا بغور مطالعہ کر کے خود بھی مستفید ہوں اور دوسروں کے لیے بھی استفادہ کا موقع فراہم کریں۔

میں نے اللہ رب العالمین سے استخارہ کرنے کے بعد اس مختصر مگر مفید رسالہ کو مرتب کیا ہے، امید ہے کہ ایک طالب علم دین اس رسالہ کو اپنے موضوع کا ماحصل پائے گا اور ان سچے اور مخلص اہل ایمان کے لیے نقطۂ اتحاد ثابت ہوگا جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فرمودات کے سامنے کسی کے قول کو کوئی اہمیت نہیں دیتے، یہ رسالہ ان مومنین کے شجرۂ حیات کو مضبوط اور دعوتِ دین کی اساس کو قوی تر بنا دے گا۔ (ان شاء اللہ)

رسالہ کا نام میں نے "البدعة وأثرها السيء فی الأمة" (بدعت اور امت پر اس کے برے اثرات) رکھا ہے، تاکہ یہ رسالہ بدعت کی مذمت و ممانعت میں وارد شدہ قرآنی نصوص اور احادیث صحیحہ کے سمجھنے کے لیے ذریعہ ہو اور اس موضوع کی دیگر ضخیم کتابوں مثلاً: امام ابواسحاق شاطبی کی "الاعتصام" ابوبکر طرطوشی کی "البدع والحوادث"

---

* صحيح مسلم: ٨٦٧، ٨٦٨؛ سنن نسائی: ٣٢٧٩، ٣٢٨٠۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ کی "اقتضاء الصراط المستقیم لمخالفة اصحاب الجحیم" ابن وضاح قرطبی کی "البدع والنهی عنها" اورابوشامہ کی "الباعث علی انکار البدع والحوادث" وغیرہ کے مطالعہ کے لیے نقطہ آغاز ثابت ہو۔

اللہ تعالیٰ ان جملہ اسلاف کرام پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے اور ان کے ساتھ ہمیں بھی اپنے انعام یافتہ بندوں، انبیا وصدیقین اور شہدا وصلحا کے پہلو میں جگہ دے، کہ یہی بہترین رفیق ہیں۔

محتاج کرم الٰہی وطالب علم دین

ابواسامہ سلیم الہلالی

عمان......اردن ذی الحجہ ۱۴۰۳ھ

بدعت کی تعریف

لغت میں بدعت دو معنوں کے لیے مستعمل ہے:

① وہ نئی چیز جو کسی سابقہ مثال کے بغیر بنائی گئی ہو، چنانچہ اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی ہے:

﴿قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ﴾ ①

"(اے محمد ﷺ) کہہ دیجئے کہ میں کوئی نیا پیغمبر نہیں ہوں۔"

یعنی میں کوئی پہلا رسول نہیں، بلکہ مجھ سے پہلے بہت سے رسول بھیجے جا چکے ہیں اور ایک وقفہ کے بعد مجھے بھی مبعوث کیا گیا ہے۔

بدعت کے اس معنی میں اہل عرب اس شخص کے لیے بھی "ابدع" اور "ابتدع" اور "تبدع" کے کلمات استعمال کرتے ہیں جس نے کوئی انوکھا کام انجام دے دیا ہو اور اسی قبیل سے اللہ کا یہ قول بھی ہے:

﴿وَرَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوهَا﴾ ②

"یعنی لذات سے کنارہ کشی تو انہوں نے خود ایک نئی بات نکال لی تھی۔"

نیز اسی معنی میں اللہ کے صفات علیا میں سے ایک صفت "بدیع السموات والارض" بھی ہے، جیسا کہ فرمایا:

﴿بَدِيعُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۖ﴾ ③

"یعنی آسمان و زمین کو ایک نئے انداز سے پیدا فرمانے والا۔"

کیونکہ اس نے آسمان و زمین کو اس انداز سے بنایا اور پیدا فرمایا ہے جس کی کوئی سابقہ مثال نہ تھی۔

② بدعت کا دوسرا معنی تھکنے اور عاجز ہو جانے کے ہیں، چنانچہ اونٹ جب بیماری یا کمزوری یا تکان (تھکن) کے سبب راستے میں بیٹھ جائے تو اس وقت کہا جاتا ہے:

---

① ٤٦/ الاحقاف: ٩۔ ② ٥٧/ الحدید: ٢٧۔ ③ ٢/ البقرة: ١١٧۔

"ابدعت الابل" یعنی اونٹ تھک کر بیٹھ گیا، اور کبھی کبھی "ابداع" کی صورت جانور کی سرکشی یا کج مزاجی کی وجہ سے بھی پیش آ جاتی ہے تو اس وقت کہا جاتا ہے: "ابدعت به راحلته" یعنی اس کی سواری نے اسے عاجز کر دیا۔ [1]

لیکن بدعت کا یہ دوسرا معنی بھی پہلے ہی معنی کی طرف لوٹتا ہے، کیونکہ "ابدعت الراحلة" کا مطلب یہ ہے کہ سواری کے اندر تکان بعد میں پیدا ہوئی، پہلے سے یہ صفت اس میں موجود نہ تھی، چنانچہ اسی معنی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ابن منظور "لسان العرب" میں لکھتے ہیں کہ

> "كأنه جعل انقطاعها عما كانت مستمرة عليه من عادة السير ابداعًا، أي انشاء امر خارج عما اعتيد منها و منه الحديث: كيف أصنع بما ابدع علي منها۔" [2]

یعنی سواری کا اپنی چال میں سابقہ عادت سے نکل جانے کو "ابداع" کہا گیا ہے، گویا عادت معتادہ سے نکل جانے کا نام ابداع ہے، اور اسی معنی میں حدیث کے یہ الفاظ بھی ہیں:

> "کیف اصنع بما ابدع علی منھا۔" [3]
>
> کہ ان جانوروں میں سے اگر کوئی تھک جائے تو میں کیا کروں؟ ☆

---

[1] ملاحظہ ہو: لسان العرب لابن منظور ۸/ ۷ مطبوعة دار صادر بيروت؛ القاموس المحيط للفيروز آبادى ۳/ ۳، ٤، مطبوعة المؤسسة العربية للطباعة والنشر۔

[2] لسان العرب: ۸/ ۸۔ [3] صحيح مسلم كتاب الحج، بابٔ مايفعل بالهدى اذا عطب فى الطريق ح ۱۳۲۵ (۳۲۱٦)۔

(☆...... پوری حدیث یوں ہے: بعث رسول الله ﷺ بست عشرة بدنة مع رجل وامره فيها قال: فمضى ثم رجع، فقال: يا رسول الله! كيف اصنع بما ابدع على منها؟ قال: ((انحرها ثم اصبغ نعليها فى دمها ثم اجعله على صفحتها، ولا تأكل منها انت ولا احد من اهل رفقتك۔)) "یعنی رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کے ساتھ قربانی کے سولہ جانور روانہ فرمائے اور انہیں مکہ میں ذبح کرنے کے لیے اسے امیر بنایا، وہ شخص چلا پھر لوٹ آیا اور پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! اگر ان جانوروں میں سے کوئی جانور تھک جائے تو کیا کروں؟ آپ نے فرمایا کہ "اسے نحر کر دو اور اس کے دونوں جوتے اسی خون میں ڈبو کر اس کے سینے پر رکھ دو اور اس کا گوشت نہ خود کھاؤ نہ تمہارے ساتھیوں میں سے کوئی کھائے)۔" (مترجم)

ابن منظور کی طرح ابن الاثیر نے بھی اپنی کتاب "النهاية في غريب الحديث والاثر" (ج۱، ص۲۰۷) میں بدعت کا اسی مفہوم کی طرف اشارہ کیا ہے۔

سابقہ بیان سے یہ واضح ہو گیا کہ بدعت اس ہیئت کو کہتے ہیں جو نئی اور انوکھی ہو اور کسی سابقہ نمونہ کے بغیر نکالی گئی ہو۔ بدعت کا اطلاق خیر کے لیے بھی ہوتا ہے اور "شر" کے لیے بھی۔ ① مگر عرف عام میں اس کا بیشتر استعمال ذم کے لیے ہی ہوتا ہے۔ ②

بدعت کا شرعی مفہوم

بدعت کے شرعی مفہوم کے تعین کے سلسلہ میں علما کا قدرے اختلاف ہے۔ چنانچہ بعض تو "بدعت" کو سنت کا مقابل قرار دیتے ہیں، جب کہ بعض دیگر علما کا خیال ہے کہ ہر وہ چیز جو عہد رسالت مآب ﷺ کے بعد ایجاد کی گئی ہو بدعت ہے۔ خواہ وہ چیز اچھی ہو یا بری، لیکن بدعت کی سب سے صحیح اور جامع تعریف وہ ہے جو امام شاطبی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کی ہے:

> "الطريقة المخترعة فى الدين، تضاهى الشريعة، يقصد بها زيادة التقرب الى الله و لم يقم على صحتها دليل شرعي صحيح اصلاً أو وصفًا۔" ③
>
> "یعنی بدعت دین میں نکالے گئے اس طریقے کو کہتے ہیں جو شریعت کی شکل میں ہو، اور اس سے اللہ کا تقرب حاصل کرنا مقصود ہو، مگر اس طریقے کی صحت کے سلسلے میں کیفیت یا اصل کے اعتبار سے کوئی صحیح اور شرعی دلیل موجود نہ ہو۔"

بدعت کی مذکورہ بالا تعریف "قربِ الٰہی" کی قید سے دنیاوی ایجادات مثلاً: ہوائی جہاز، موٹریں، بارود اور کتابوں کی تصنیف و تالیف وغیرہ کے کام بدعت سے خارج ہو جاتے

---

① لسان العرب: ۸/ ۷۔

② النهاية فى غريب الحديث والاثر لا بن الاثير ۱/ ۱۰۷ مطبوعة المكتبة الاسلامية۔

③ دیکھیے الاعتصام، للشاطبى: ۱/ ۷۳، مطبوعة دار المعرفة بيروت۔

ہیں، کیونکہ ان کی حیثیت مشروع وسائل و ذرائع کی ہے جن سے احکام شرعیہ منصوصہ کی ادائیگی ہوتی ہے، گویا یہ بدعت دینیہ نہیں بلکہ "مالا یتم الواجب الابہ فھو واجب" یعنی وہ ذریعہ جس کے بغیر کسی واجب کی ادائیگی ممکن نہ ہو وہ بھی واجب کے حکم میں ہے۔ کے اصول کے تحت انہیں بھی شریعت کے پانچوں احکام: واجب، مندوب، مباح، مکروہ اور حرام میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

استحسان شریعت ایجاد کرنا ہے

① کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ بعض بدعتیں مستحسن ہوتی ہیں، چنانچہ انہوں نے بدعت کی یوں تقسیم کی ہے:

❶ بدعت حسنہ ❷ بدعت سیئہ

حالانکہ اس تقسیم کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں اور ثبوت کا سوال ہی کیا ہے جب یہ تقسیم قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کے نص صریح کے منافی ہے، چنانچہ درج ذیل نکات کی روشنی میں ہم اس مسئلہ کو مزید واضح کر دینا چاہتے ہیں۔

الف: دین اسلام کا یہ ایک بنیادی اصول ہے جس کے بغیر بندے کا ایمان ہی صحیح نہیں ہوسکتا کہ اسلام مکمل ہو چکا ہے۔ اب اس میں کسی قسم کے اضافہ کی گنجائش باقی نہیں رہی، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ﴾ ❶

"یعنی آج ہم نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور تمہارے لیے اسلام کو پسند کرلیا۔"

لہٰذا اب بندوں کا کام صرف یہ رہ گیا ہے کہ اپنے اوپر اس دین کامل کو نافذ کریں، اس کے احکام بجالائیں اور اس کی سمع واطاعت کریں۔

---

❶ ٥/ المائدة:٣۔

ب: رسول اللہ ﷺ پر یہ بات فرض قرار دی گئی تھی کہ آپ حق رسالت کی تبلیغ فرمادیں اور لوگوں تک بے کم وکاست اسلام کو پہنچادیں، چنانچہ اللہ رب العالمین نیز سارے مومنین اس بات کے شاہد ہیں کہ آپ نے اپنی زندگی میں رسالت کی کماحقہٗ تبلیغ فرمادی اور جب آپ اس دنیا سے تشریف لے گئے تو اس وقت اسلام مکمل ہو چکا تھا اور کسی قسم کے اضافہ کی گنجائش باقی نہیں رہ گئی تھی۔ جیسا کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

((ما تركت شيئاً مما امركم اللّٰه به، الا وقد امرتكم به، ولا تركت شيئا مما نهاكم اللّٰه عنه الا وقد نهيتكم عنه)) ①

"اللہ کے احکامات میں سے کوئی چیز میں نے ایسی نہیں چھوڑی جو تمہیں بتانہ دی ہو اور اس کے منہیات میں سے کوئی چیز ایسی نہیں چھوڑی جس سے تمہیں منع نہ کردیا ہو۔"

ایک دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا:

((قد تركتكم على مثل البيضاء، ليلها كنهارها، لا يزيغ عنها بعدي الا هالك)) ②

"میں تمہیں ایک ایسی شاہراہ پر چھوڑ کر جارہا ہوں جس کی رات بھی اس کے دن کی مانند روشن ہے۔ میرے بعد اس راستہ سے وہی منحرف ہوسکتا ہے جو اپنے نفس کو ہلاکت میں ڈالنے والا ہوگا۔"

ج: دین اسلام کے ہر ناحیہ (پہلو) سے اکمل واتم ہونے کا مسئلہ اتنا واضح اور نمایاں ہے کہ دشمنان اسلام بھی اس کا اعتراف کرنے پر مجبور ہوئے اور اس کامل و ہمہ گیر ربانی نظام سے اپنی مرعوبیت نہ چھپا سکے جو کتاب زندگی کے ایک ایک مسئلہ کو محیط اور مہد سے لے کر لحد تک کے سارے آداب و نظام کو شامل ہے۔ چنانچہ حضرت سلمان فارسی ؓ سے یہودیوں نے سوال کیا:

---

① صحيح، السنن الكبرىٰ للبيهقى ٧/ ٧٦؛ مسند الشافعى ص ٢٣٣ ح ١١٨٠؛ الصحيحة للألبانى: ١٨٠٣۔ ② اسناده حسن، سنن ابن ماجه مقدمة، باب اتباع سنة الخلفاء الراشدين المهديين ح ٤٣، ٤٤؛ مسند احمد: ٤/ ١٢٦ وصححه الحاكم: ١/ ٩٦ ح: ٣٣١۔

"قد علمکم نبیکم ﷺ کل شيءٍ حتی الخراء ة۔"

''تمہارے نبی نے تمہیں تو ہر چیز سکھادی حتی کہ استنجا کے آداب بھی۔''

اس کے جواب میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"أجل، لقد نهانا أن نستقبل القبلة لغائط أو بول، أو أن نستنجي باليمين أو أن نستنجي بأقل من ثلاثة أحجار، أو ان نستنجي برجيع أو بعظم۔" ①

''ہاں! بے شک ہمارے نبی ﷺ نے ہمیں اس بات سے منع فرمایا ہے کہ پیشاب یا پاخانہ کی حالت میں قبلہ رو ہو کر بیٹھیں یا دائیں ہاتھ سے استنجا کریں، یا تین ڈھیلوں سے کم میں طہارت حاصل کریں یا گوبر اور ہڈی سے استنجا کریں۔''

د: شریعت سازی صرف اللہ رب العالمین کا حق ہے، کسی انسان کو شریعت کے اندر کمی بیشی کرنے کا قطعاً کوئی اختیار نہیں، اگر شریعت میں اضافہ کرنے کی گنجائش مان لی جائے تو اس میں کمی کرنا بھی جائز ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دین میں اضافہ کرنے سے سختی سے روکا ہے، فرمایا:

((اذا حدثتکم حدیثاً فلا تزیدن علی)) ②

''جب میں تمہیں شریعت کی کوئی بات بتادوں تو اس میں اپنی جانب سے ہرگز کوئی اضافہ نہ کرو۔''

ایک عربی شاعر کہتا ہے:

---

① صحیح مسلم، کتاب الطهارة، باب الاستطابة، ٦٠٦، (٢٦٢)؛ سنن ابی داود، کتاب الطهارة، باب کراهية استقبال القبلة عند قضاء الحاجة، ح٧؛ جامع ترمذی، ابواب الطهارة، باب الاستنجاء بالحجارة، ح١٦؛ سنن ابن ماجه، کتاب الطهارة باب الاستنجاء بالحجارة، ح٣١٦؛ مسند احمد ٥/ ٤٣٧۔

② صحیح، مسند احمد، ٥/ ١١ مذکورہ الفاظ کے بغیر یہ روایت ابن ماجہ: (٣٨١١) میں بھی ہے، نیز علامہ البانی نے سلسلۃ الأحادیث الصحیحۃ (٣٤٦) میں اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

بدين المسلمين ان جاز زيد   فجاز النقص أيضًا أن يكونا
كفى ذا القول قبحًا يا خليلى   ولا يرضاه الا الجاهلونا

یعنی مسلمانوں کے دین اسلام میں اگر اضافہ کرنا جائز ہوتو ایسے دین میں کمی کرنا بھی جائز ہوگی۔

کتنا ہی برا ہے وہ شخص جو ایسی باتیں کہے اور کتنا ہی جاہل ہے وہ جو ایسا عقیدہ رکھے۔

دینی بھائیو! جب اسلام مکمل ہو چکا ہے اور اس میں کمی وبیشی کی قطعًا کوئی گنجائش نہیں رہ گئی تو گویا ایک بدعت ایجاد کرنے والے شخص کا حاصل مقصد، خواہ وہ زبان حال سے کہہ رہا ہو یا زبان مقال سے، یہ ہوتا ہے کہ شریعت ابھی مکمل نہیں ہوئی تھی بلکہ بعض چیزیں ایسی رہ گئی تھیں جن کا شامل کرنا ضروری یا کم از کم مستحب تھا، کیونکہ بدعتی کا اگر دین کے مکمل ہونے پر ایمان ہوتا تو اسے بدعت ایجاد کرنے یا دین کے نام پر کچھ چیزوں کو شامل کرنے کی حاجت پیش نہ آتی اور ایسا عقیدہ رکھنے والا تمام اہل سنت کی نگاہ میں گمراہ اور صراط مستقیم سے بھٹکا ہوا ہے۔

ہ: بدعت ایجاد کرنے والا اپنے آپ کو شارع حکیم کے مشابہ قرار دیتا ہے، کیونکہ شارع نے شریعت نازل کی اور مخلوق کو اس کا پابند بنا دیا، یعنی شریعت سازی کا حق اسی کے ساتھ خاص ہے کیونکہ وہی بندوں کے مختلف فیہ امور کا فیصل ہے۔

شریعت سازی اگر انسان کے بس کی بات ہوتی تو اللہ کی جانب سے شریعتیں نازل ہوتیں نہ انبیاء ورسل کی بعثت کا سلسلہ جاری ہوتا، لیکن ایک بدعتی دین کے نام پر بدعت ایجاد کرکے اپنے آپ کو اللہ کا شریک ٹھہراتا ہے، مسلمانوں کے مابین اختلاف کا دروازہ کھولتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حق تشریع میں خود کو شامل کرکے شارع حکیم کے مقصد کی تردید کرتا ہے۔

اسلاف کرام نے تشریع کا یہی مفہوم سمجھا جو اوپر مذکور ہوا، چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"من استحسن فقد شرع۔"[1]
"جس شخص نے استحسان کیا اس نے گویا شریعت ایجاد کی۔"

---

[1] کتاب الأم، ۷/ ۲۷۰۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے:

> "أصول السنة عندنا التمسك بما كان عليه اصحاب رسول الله ﷺ والا قتداء بهم و ترك البدع، وكل بدعة ضلالة۔"①
>
> "سنت کا اصول ہمارے نزدیک یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب جس طریقہ پر تھے اس کو اپنایا جائے اور ان ہی کی پیروی کی جائے، بدعات سے دور رہا جائے، اور ہر بدعت گمراہی ہے۔"

اسی طرح امام دار الہجرت مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے اسلام کے نام پر کوئی کام بدعت حسنہ سمجھ کر ایجاد کیا اس نے گویا یہ عقیدہ رکھا کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے...... نَعُوْذُ بِاللّٰہِ...... رسالت میں خیانت کی ہے، کیونکہ اللہ کا ارشاد ہے:

﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ﴾②

> "آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور تمہارے لیے اسلام بحیثیت دین کے پسند کر لیا۔"③

لہٰذا جو کام اس وقت دین میں شامل نہیں تھا وہ آج دین نہیں ہوسکتا۔

② بدعت کو مستحسن جاننے والے درحقیقت اس حکم شنیع میں داخل ہیں جس کا انجام جہنم ہے اور وہ نہایت ہی بدترین ٹھکانہ ہے، کیونکہ ایسے لوگوں نے گویا اللہ کی جاری کردہ سنت میں رخنے ڈالے اور اس کی حکمتوں کو معطل کر دیا، دین کی سنتوں کو جاری کرنے والی ذات وہ ہے جو اس کے مقابل میں پوشیدہ نقائص سے واقف ہے، مگر بدعت ایجاد کرنے والا شخص اپنے لیے دین کا وہ طریقہ نہیں اپناتا جو سلف صالحین نے اپنایا تھا، حالانکہ وہ اہل علم تھے، انہیں دینی بصیرت حاصل تھی، مسائل پر دسترس رکھتے تھے، اصحاب فضل تھے اور دین کے معاملات میں ان کا کلام کافی وشافی اور ان کا مؤقف نہایت ہی واضح اور روشن ہے۔

③ بدعت کو مستحسن قرار دینے والے "بدعت حسنہ" اور "بدعت سیئہ" کی عقلی تقسیم کرنے

---

① أصول السنة، ١/ ١٤؛ تاريخ الاسلام للذهبى، ١٨/ ٨٧۔

② ٥/ المائدة: ٣۔ ③ الاعتصام للشاطبى، ١/ ٤٩۔

میں ان لوگوں کے زمرہ میں شامل ہیں جو عقل ہی کو معیار جانتے ہیں، حالانکہ عقل بذات خود کوئی مستقل چیز ہے نہ ہی کسی غیر اصل پر اس کی بنا ہو سکتی ہے، بلکہ عقل بھی اپنا دارومدار اسی اصول پر رکھتی ہے جو پہلے سے موجود ہو، چنانچہ شرعی امور میں وحی کے بغیر عقل کسی چیز کا ادراک نہیں کر سکتی اور دنیاوی معاملات میں بھی اس کے لیے پہلے سے معلومات کا حاصل ہونا ضروری ہے۔

ہر بدعت گمراہی ہے

شاہراہِ سنت کے پیروؤ! ہر بدعت گمراہی ہے، کوئی بدعت کبھی حسنہ نہیں ہو سکتی، جیسا کہ درج ذیل احادیث صحیحہ وصریحہ سے ثابت ہوتا ہے:

① سیدنا عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فجر کی نماز ادا کی، پھر ہماری طرف متوجہ ہوئے اور ایک بلیغ خطبہ دیا جس سے ہماری آنکھیں اشکبار ہو گئیں اور دل لرز اٹھے۔ ہم میں سے ایک شخص نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! آج کا یہ خطبہ ہمیں الوداعی خطبہ کا احساس دلاتا ہے۔ آپ نے فرمایا:

> ((أوصيكم بتقوىٰ الله والسمع والطاعة وإن عبدًا حبشيًا، فإنه من يعش منكم بعدى فسيرىٰ اختلافًا كثيرًا، فعليكم بسنتى، وسنة الخلفاء الراشدين المهديين، تمسكوا بها، وعضوا عليها بالنواجذ، وإياكم ومحدثات الأمور، فان كل محدثة بدعة وكُلَّ بدعة ضلالة)) [1]

> ”لوگو! میں تمہیں تقویٰ اور امیر کی سمع واطاعت کی وصیت کرتا ہوں، خواہ وہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو، میرے بعد جو زندہ رہے گا وہ بے شمار اختلاف دیکھے گا، ایسے موقع پر تم میری سنت اور میرے خلفائے راشدین کا طریقہ عمل

---

[1] اسنادہ حسن، سنن ابی داود، كتاب السنة، باب فی لزوم السنة، ح٤٦٠٧؛ جامع ترمذی، ابواب العلم، باب الاخذ بالسنة واجتناب البدعة ح ٢٦٧٦؛ سنن ابن ماجه، مقدمة، باب اتباع سنة الخلفاء الراشدين ح ٤٢؛ سنن دارمی، مقدمة باب اتباع السنة ح ٩٦؛ مسند احمد ٤/ ١٢٦۔ نیز علامہ البانی رحمہ اللہ نے کتاب السنة ١/ ٢٩ کی تخریج میں اسے صحیح کہا ہے۔

اختیار کرو اور اسے مضبوطی سے تھامے رہو، اور دین میں نئی ایجاد کردہ بدعات سے بچو کیونکہ دین میں ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔"

② دوسری حدیث سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب خطبہ دیتے تو سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے شایانِ شان اس کی حمد وثنا کرتے اس کے بعد فرماتے:

((من يهده اللّٰه فلا مضل له ومن يضلل فلا هادي له، وخير الحديث كتاب الله ❊ وخير الهدى هدى محمد ﷺ، وشر الأمور محدثاتها، وكل بدعة ضلالة)) ❊❊

"یعنی اللہ جسے ہدایت دے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جسے گمراہ کردے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں، سب سے بہتر حدیث اللہ کی کتاب اور سب سے بہتر راستہ محمد ﷺ کا راستہ ہے اور سب سے بدترین کام وہ ہے جو دین کے اندر ایجاد کیا گیا ہو، اور ہر نو ایجاد کام بدعت ہے۔"

③ تیسری حدیث سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لكل عمل شرة ولكل شرة فترة فمن كانت فترته إلٰى سنتي فقد اهتدى ومن كانت فترته إلى غير ذلك هلك)) ✿

"یعنی ہر عمل کے اندر ایک تیزی اور جوش ہوتا ہے اور ہر جوش کے اندر اتار پیدا ہوتا ہے، تو جس شخص کا اتار میری سنت کی جانب ہوا وہ ہدایت یاب ہوا اور جس کا اتار کسی اور طرف ہوا وہ ہلاک ہوا۔"

④ چوتھی حدیث سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو ردٌّ)) "یعنی جس شخص

❊ صحیح مسلم کتاب الجمعه: باب تخفیف الصلاة والخطبة ح ٨٦٧۔

❊❊ سنن ابن ماجه، مقدمه باب اجتناب البدع والجدل ح ٤٥۔

✿ صحیح، مسند احمد: ٢/ ٢١٠، ح٦٩٥٨ واللفظ له؛ ترمذی: ٢٤٥٣؛ موارد الظمآن: ٦٥٣۔ نوٹ: الترغیب والترهیب للمنذری: (٨٨) میں "فقد اهتدى" کے الفاظ ہیں۔

نے ہمارے امرِ دین میں کوئی ایسی چیز ایجاد کی جو دین میں نہ تھی تو وہ چیز رد کردی جائے گی۔'' ①

ایک دوسری حدیث میں آپ نے فرمایا:

((من عمل عملاً ليس عليه أمرنا فهو رد))

''جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس کا ہم نے حکم نہ دیا ہو تو وہ عمل غیر مقبول ہے۔'' ②

مذکورہ بالا احادیث میں حضرت عرباض بن ساریہ اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم کی روایتوں میں وارد ((كل بدعة ضلالة)) (ہر بدعت گمراہی ہے) کا جملہ عام ہے، کیونکہ ''کل'' صیغہ عموم میں سے ہے اور یہاں پر اس کی تخصیص کی کوئی دلیل بھی نہیں ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''یہ جملہ ایک شرعی قاعدہ کلیہ ہے مفہوم کے اعتبار سے بھی اور منطوق کے لحاظ سے بھی، منطوق کے لحاظ سے یوں ہے کہ مثلاً: یہ کہا جائے کہ فلاں چیز کا حکم بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے، لہٰذا وہ شریعت سے نہیں کیونکہ شریعت کل کی کل ہدایت ہے۔ اب اگر یہ ثابت ہو جائے کہ فلاں حکم واقعی بدعت ہے تو دونوں مقدمے صحیح ہوں گے اور ان کا نتیجہ وہی نکلے گا جو مذکور ہوا۔ ③

مذکورہ دو حدیثوں کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی جو حدیثیں ذکر ہوئیں، وہ آپ کے جوامع الکلم میں سے ہیں اور درحقیقت وہ بندے کے ظاہری اعمال کے لیے میزان کی حیثیت رکھتی ہیں، کیونکہ بندے کا کوئی سا بھی عمل اسی وقت اللہ کے یہاں شرف قبولیت حاصل کرتا ہے جب وہ درج ذیل دو شرطوں کے مطابق ہو:

① یہ کہ وہ عمل خالص اللہ کے لیے انجام دیا گیا ہو، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا﴾ ④

---

① صحيح بخاري، كتاب الصلح، باب اذا اصلحوا على صلح جور فهو مردود: ٢٦٩٧؛ صحيح مسلم، كتاب الأقضية باب نقض الاحكام الباطلة ورد محدثات الأمور ١٧١٨ (٤٤٩٢)۔ ② صحيح مسلم، كتاب الاقضية، باب نقض الاحكام الباطلة: ح ١٧١٨ (٤٤٩٣)۔ ③ فتح الباري: ١٣/ ٢٥٤۔ ④ ١٨/ الكهف: ١١٠۔

"یعنی جو شخص اپنے پروردگار سے ملنے کی امید رکھے اسے چاہیے کہ نیک عمل کرے اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے۔"

② قبولیت عمل کی دوسری شرط یہ ہے کہ وہ عمل سنت رسول ﷺ کے مطابق ہو، چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں یہ شرط بالکل واضح اور نمایاں طور پر موجود ہے۔

تفاصیل بالا سے ایک صاحب عقل کے لیے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ کی تقسیم ایک ناقص اور غلط تقسیم ہے، بلکہ یہ تقسیم بجائے خود ایک گمراہی اور بدترین بدعت ہے، کیونکہ اس سلسلہ میں جتنے بھی دلائل احادیث میں وارد ہوئے ہیں وہ سب کے سب عام اور مطلق ہیں، کسی دلیل کے اندر قطعاً کوئی استثنا نہیں، اور علم اصول کا یہ ایک ثابت شدہ قاعدہ ہے کہ وہ شرعی قاعدہ کلیہ یا دلیل کلی جو متعدد مقام پر بار بار آئے اور اس کے اصولی یا فرعی معانی پر شواہد بھی موجود ہوں، نیز مختلف مقام پر مذکور ہونے اور بار بار کے تکرار کے باوجود کسی جگہ کوئی تخصیص یا تقیید نہ ہو تو اسے لفظ کے مقتضی کے مطابق عموم پر ہی باقی رکھا جائے گا۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد:

﴿ أَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ۝ ﴾ [1]

"یعنی کوئی شخص کسی دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔"

یہ جملہ سورۂ انعام، سورۂ اسراء اور سورۂ زمر وغیرہ کی مختلف آیات میں وارد ہے اور کوئی تخصیص و تقیید بھی موجود نہیں، لہٰذا اسے عموم پر ہی محمول کیا جائے گا۔

---

[1] ۵۳/ النجم: ۳۸۔

بدعت، حسنہ نہیں ہو سکتی

اہل علم صحابہ کرام و تابعین عظام اور ان کے بعد خیر القرون کے علمائے امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ بدعت ایک مذموم و قبیح فعل ہے، نیز بدعت سے اجتناب کرنا اور بدعت میں ملوث افراد سے دور رہنا ضروری ہے۔ اس فیصلہ میں ان کی جانب سے کوئی توقف یا تردد مروی نہیں، چنانچہ ذیل میں ہم ان کے اقوال و افعال کا ایک خاکہ پیش کر رہے ہیں جس سے اس مسئلہ کی نوعیت بخوبی واضح ہو جائے گی۔

ویسے اس سلسلہ میں ہم اگر صحابہ کرام کے طبقہ سے ہی چند واقعات بطور نمونہ لے لیں تو وہی واقعات ایک متبع سنت مسلمان کے لیے کافی ہوں گے اور اہل بدعت کی رائے کا بطلان واضح ہو جائے گا، چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

> "اتبعوا و لا تبتدعوا فقد کفیتم۔" ①
>
> "یعنی شریعت کا اتباع کرو اور اپنی جانب سے بدعتیں نہ نکالو، کیونکہ شریعت ہی تمہارے لیے کافی ہے۔"

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

> "کل بدعة ضلالة وان راٰها الناس حسنة۔" ②
>
> "یعنی ہر بدعت گمراہی ہے اگرچہ کچھ لوگوں کی نگاہ میں وہ بدعت بھلی معلوم ہو۔"

یہ بات...... والعیاذ باللہ...... صحابہ کرام کی زبانوں تک ہی محدود نہ تھی، بلکہ ان کی عملی زندگی بھی اس کے عین مطابق تھی۔ چنانچہ ایک لمبی روایت میں ایک صحابی رسول ﷺ کہتے ہیں کہ ہم نماز فجر سے پہلے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے دروازے پر بیٹھ جاتے اور جب وہ گھر سے نکلتے تو ان کے ساتھ مسجد روانہ ہوتے، ایک دن ہم بیٹھے ہوئے تھے کہ

---

① المعجم الکبیر للطبرانی: ٩/ ١٥٤، ح ٨٧٧٠؛ مجمع الزوائد: ١/ ٢٤٥ ح ٨٥٣ وله شاهد صحیح فی سنن الدارمی: ١٤٥۔

② السنة للمروزی: ٨٩، ذم الکلام للامام هروی: ١٢٧٦ وسنده صحیح۔

ابو موسیٰ اشعری آئے اور کہا کہ کیا ابو عبدالرحمٰن (عبداللہ بن مسعود ؓ) نکل گئے؟ ہم نے جواب دیا: نہیں، یہ سن کر ابو موسیٰ بھی ہمارے ساتھ بیٹھ گئے، یہاں تک کہ ابن مسعود باہر نکلے اور ہم سب ان کی طرف کھڑے ہوگئے، تو ابو موسیٰ ان سے مخاطب ہوئے اور کہا: اے ابو عبدالرحمٰن! میں ابھی ابھی مسجد میں ایک نئی بات دیکھ کر آیا ہوں، ابن مسعود نے کہا: وہ کیا؟ ابو موسیٰ نے جواب دیا: اگر زندگی رہی تو آپ بھی دیکھ لیں گے۔ وہ بات یہ ہے کہ کچھ لوگ نماز کے انتظار میں مسجد کے اندر حلقے بنائے بیٹھے ہیں، سب کے ہاتھوں میں کنکریاں ہیں اور ہر حلقہ میں ایک آدمی متعین ہے جو ان سے کہتا ہے کہ ۱۰۰ بار اللہ اکبر کہو، تو سب لوگ سو بار اللہ اکبر کہتے ہیں، پھر کہتا ہے کہ ۱۰۰ بار الحمد للہ کہو تو سب سو بار الحمد للہ کہتے ہیں، پھر کہتا ہے کہ ۱۰۰ بار سبحان اللہ کہو تو وہ سو بار سبحان اللہ کہتے ہیں۔

یہ سن کر حضرت ابن مسعود ؓ نے ابو موسیٰ اشعری ؓ سے فرمایا کہ تم نے ان لوگوں سے پھر کیا کہا؟ ابو موسیٰ نے جواب دیا کہ میں نے سوچا کہ آپ کی رائے معلوم کرلوں، اس لیے میں نے وہاں کچھ نہ کہا۔ حضرت ابن مسعود نے فرمایا: تم نے ان سے یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ اپنے گناہ شمار کرو، میں اس بات کی ضمانت دیتا ہوں کہ تمہاری نیکیاں ضائع نہ ہوں گی۔

بہر حال یہ کہہ کر حضرت ابن مسعود ؓ مسجد کی طرف روانہ ہوئے اور ان حلقوں میں سے ایک حلقہ کے پاس کھڑے ہوئے اور فرمایا: یہ کیا ہو رہا ہے؟ لوگوں نے جواب دیا: اے ابو عبدالرحمٰن! یہ کنکریاں ہیں جن پر ہم تکبیر و تہلیل اور تسبیح گن رہے ہیں۔ ابن مسعود نے فرمایا کہ بجائے اس کے تم اپنے اپنے گناہ شمار کرو اور میں اس بات کا ذمہ لیتا ہوں کہ تمہاری نیکیوں میں سے ایک بھی نیکی ضائع نہ ہوگی۔ تعجب ہے اے امت محمد! کہ ابھی تو تمہارے نبی ﷺ کے صحابہ کثیر تعداد میں موجود ہیں، ابھی آپ کے چھوڑے ہوئے کپڑے نہیں پھٹے، آپ کے برتن نہیں ٹوٹے اور اتنی جلدی تم ہلاک ہوگئے...... قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم یا تو ایک ایسی شریعت پر چل رہے ہو جو محمد ﷺ کی لائی ہوئی شریعت سے نعوذ باللہ بہتر ہے یا گمراہی کا دروازہ کھول رہے ہو...... لوگوں نے

جواب دیا: اے ابوعبدالرحمٰن! اللہ کی قسم! اس طرز عمل سے خیر کے سوا ہمارا کوئی مقصد نہ تھا۔ حضرت ابن مسعود نے فرمایا: کتنے خیر کے طلب گار ایسے ہیں جو خیر تک کبھی پہنچ ہی نہیں پاتے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے:

((ان قومًا یقرؤون القرآن لا یجاوز تراقیھم))

''ایک قوم ایسی ہوگی جو قرآن پڑھے گی مگر قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔'' اللہ کی قسم! میں نہیں جانتا کہ شاید ان میں سے اکثر تم ہی میں سے ہوں۔ یہ باتیں کہہ کر حضرت ابن مسعود ؓ وہاں سے واپس چلے آئے، راوی عمرو بن سلمہ کہتے ہیں کہ ان حلقوں کے عام لوگوں کو ہم نے دیکھا کہ نہروان کی جنگ میں وہ ہمارے بالمقابل خوارج کے ساتھ تھے۔ ❁

یہ گرانقدر اثر چند بنیادی اور اہم اصولوں پر مشتمل ہے جو درج ذیل ہیں:

الف: جس ذات نے عمل مشروع کیا ہے وہ طریقہ عمل کے بتانے سے غافل نہیں رہا، اللہ تعالیٰ نے جب ذکر واذکار کو مشروع فرمایا تو ذکر واذکار کا طریقہ بھی متعین کر دیا ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ اپنے دائیں ہاتھ پر تسبیحات شمار کرتے اور فرماتے تھے کہ قیامت کے دن یہ تسبیحات گواہی دیں گی۔

ب: بدعت اضافی بھی گمراہی ہے، بدعت اضافی یہ ہے کہ اصل عمل کا ثبوت تو موجود ہو مگر کیفیت اور طریقہ عمل کی کوئی دلیل نہ ہو اور اسے اضافی اس وجہ سے کہتے ہیں کہ وہ صریحی طور پر نہ تو شریعت کے مخالف ہے اور نہ ہی مسنون طریقہ پر سنت کے موافق۔

چنانچہ جو لوگ مسجد میں حلقہ در حلقہ بیٹھ کر کنکریوں پر تسبیح خوانی کر رہے تھے انہوں نے نہ تو کوئی کفریہ بات کہی تھی اور نہ ہی کوئی منکر فعل انجام دیا تھا، بلکہ اللہ کا ذکر کر رہے تھے، جو ایک مشروع اور مستحب عمل ہے، لیکن چونکہ وہ عمل رسول اللہ ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے اور سنت کے خلاف تھا اس لیے صحابہ کرام ؓ نے ان لوگوں پر سخت نکیر فرمائی اور کہا کہ تم سب اپنے گناہ شمار کرو۔

❁ حسن، سنن الدارمی: ۲۱۰ طبع دار المعرفۃ۔

ج۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عبادت مشروع طریقہ پر ہی کی جائے گی۔ خواہشات، عادات و تقالید اور بدعات کے طریقے پر نہیں۔

د۔ بدعت سنّت کو مٹا دیتی ہے، چنانچہ ذکر واذکار کرنے والے اس گروہ نے تسبیح خوانی کا جب ایک غیر مسنون طریقہ ایجاد کیا تو اس طرح انہوں نے گویا رسول اللہ ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے کو پامال کر دیا، یہ ایک ایسا اہم اور بنیادی قاعدہ ہے جسے سلف صالحین نے سمجھا اور یقینی طور پر یہ جان لیا کہ بدعت وسنت کا یکجا اجتماع نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ جلیل القدر تابعی حسان بن عطیہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے:

"ما ابتدع قوم بدعة فی دينهم الا نزع الله من سنتهم مثلها۔" [1]

"یعنی کوئی بھی قوم اپنے دین میں جو بدعت ایجاد کرتی ہے تو اسی کے برابر اس سے سنت چھین لی جاتی ہے۔"

ہ۔ بدعت ہلاکت کا سبب ہے، کیونکہ ترک سنت کی دعوت دیتی ہے اور سنت کو ترک کر دینا بہت بڑی گمراہی ہے، جیسا کہ صحابی رسول حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"ولو تركتم سنة نبيكم لضللتم۔" [2]

"اگر تم اپنے نبی کی سنت چھوڑ دو گے تو ضرور گمراہ ہو جاؤ گے۔"

اور اگر یہ امت گمراہ ہوئی تو ہلاک ہوئی۔ اسی وجہ سے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے مسجد میں حلقہ درحلقہ بیٹھے ہوئے لوگوں سے یوں خطاب کیا تھا:

"يا أمة محمد! ما أسرع هلكتكم۔" [3]

"یعنی اے امت محمد! تم کتنی جلدی ہلاک ہو گئے۔"

صحابی رسول حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان حلقہ نشینوں کے بارے میں جو کچھ کہا اور اس سلسلے میں جو رائے قائم کی وہ ایک خاص نصیحت ہے جو مذکورہ بالا اثر کے سیاق وسباق سے ظاہر ہے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے ان حلقوں پر جو کوئی نکیر نہیں فرمائی تو

---

[1] سنن دارمی، مقدمة باب اتباع السنة، ح۹۹، طبع دار المعرفة۔ [2] صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب صلاة الجماعة من سنن الهدى، ح: ٦٥٤ (١٤٨٨)۔

[3] سنن الدارمی، باب فی كراهية أخذ الرای، ح: ٢٠١ طبع دار المعرفة، وهو حسن۔

اس وجہ سے نہیں کہ انہوں نے مجاملت یا نرمی کا پہلو اختیار کیا بلکہ اس وجہ سے کہ وہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے حکم یا ان کی رائے کے منتظر تھے۔ ورنہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ تو وہ صحابی ہیں جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا:

((رضیت لأ متی مارضی لها ابن أم عبد)) [1]

"یعنی میں اپنی امت کے لیے ان سب باتوں سے راضی ہوں جو ابن ام عبد (ابوموسیٰ) پسند کرلیں۔"

و۔ بدعت درحقیقت کفر کا منبع اور مرکز ہے، کیونکہ بدعت ایجاد کرنے والا اپنے آپ کو ایک قانون ساز اور اللہ کا شریک کار کی حیثیت سے نمایاں کر کے گویا اللہ احکم الحاکمین پر استدراک کرتا اور وہ مسائل بیان کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے چھوٹ گئے ہیں، ساتھ ہی یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ وہ جس شریعت پر ہے وہ محمد ﷺ کی لائی ہوئی شریعت سے اکمل و بہتر ہے۔

ز۔ بدعت اختلاف کا دروازہ کھولتی ہے اور وہ گمراہی کا دروازہ ہے اور جس شخص نے بھی اسلام میں کوئی برا طریقہ ایجاد کیا تو وہ خود اپنے گناہ کا ذمہ دار ہوگا اور قیامت تک اس برے طریقے پر عمل کرنے والوں کے گناہ کا بھی، کیونکہ برائی کی راہنمائی کرنے والا گناہ کے اعتبار سے برائی کرنے والے کے حکم میں ہوتا ہے، جب کہ اس برے طریقہ پر عمل کرنے والوں کے اپنے گناہ میں کوئی کمی نہ ہوگی۔

ح۔ بدعت کو کمتر سمجھنا اور اسے کوئی اہمیت نہ دینا فسق فجور اور معصیت کی طرف لے جاتا ہے، جیسا کہ مسجد میں حلقہ بنا کر تسبیح خوانی کرنے والوں کا حشر ہوا کہ نہروان کی جنگ میں جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں صحابہ کرام اور خوارج کے درمیان صف آرائی ہوئی تو وہ خوارج کے ساتھ ہو کر صحابہ کرام کے مقابلہ کے لیے نکلے اور ان سے جنگ کی، جس کے نتیجے میں وہ اپنے برے انجام کو پہنچے۔

---

[1] المستدرك للحاكم ۳/ ۳۱۷، نیز علامہ البانی رحمہ اللہ نے سلسلة الاحاديث الصحيحة (حديث ۱۲۲۵) میں اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

امام اہل سنت احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہ اصحاب کے ایک عالم حسن بن علی البز بہاری نے کیا ہی اچھی بات کہی ہے کہ ''چھوٹی چھوٹی بدعتوں سے بھی دور رہو، کیونکہ یہی بدعتیں آگے چل کر بڑی ہو جاتی ہیں۔ امت اسلام کے اندر جتنی بدعتیں بھی ایجاد ہوئیں، ابتدا میں وہ چھوٹی تھیں اور حق سے مشابہ بھی، جس کو دیکھ کر لوگ دھوکہ سے اس بدعت میں داخل ہو گئے اور پھر اس سے نکل نہ سکے۔ چنانچہ یہ بدعتیں بڑی ہو گئیں اور دین کی طرح ان کا اہتمام کیا جانے لگا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ صراط مستقیم سے ہٹ کر دائرہ اسلام سے خارج ہو گئے، لہٰذا اگر بالخصوص اپنے اس زمانہ میں کسی سے کوئی بات سنو تو اس سلسلے میں جلدی نہ کرو اور اس وقت تک اسے قبول کرنے سے باز رہو جب تک یہ دریافت نہ کر لو کہ اس سلسلے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یا علمائے امت میں سے کسی سے کوئی بات منقول ہے یا نہیں! اگر اس سلسلے میں تمہیں کوئی اثر مل جائے تو اسے قبول کر لو اور اس میں قطعاً کسی چیز کی زیادتی نہ کرو اور نہ ہی کسی دوسری چیز کو ترجیح دو، ورنہ جہنم میں جا گرو گے۔'' ①

ط۔ درحقیقت اعمال صالحہ کا دارومدار نیت صالح پر ہے، لیکن اچھی نیت سے کوئی باطل عمل حق نہیں ہو سکتا، کیونکہ صرف نیت ہی اعمال کی صحت کے لیے کافی نہیں، بلکہ نیت کے ساتھ شریعت کے حدود و قیود کی پابندی بھی ضروری ہے۔ ②

ی۔ خیر کی زیادتی ہمہ وقت خیر نہیں ہوتی بلکہ بسا اوقات شر سے بدل جاتی ہے، جیسا کہ مشاہدہ ہے کہ کوئی بھی معاملہ جب حد سے تجاوز کر جاتا ہے تو اپنی ضد کی جانب لوٹ آتا ہے۔ مثلاً: بہادری جب اپنی انتہا سے بڑھ جاتی ہے تو ہلاکت میں تبدیل ہو جاتی ہے اور جب کم ہوتی ہے تو بزدلی کہلاتی ہے۔ اسی طرح سخاوت و فیاضی جب حد سے تجاوز کر جاتی ہے تو اسراف و تبذیر کے حکم میں آ جاتی ہے اور اگر ناقص ہوتی ہے تو بخل و کنجوسی سے تعبیر کی جاتی ہے، گویا میانہ روی ہی سب سے اچھی اور بہترین صورت ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں صرف حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہی بدعتوں کا انکار کرنے والے

---

① ملاحظہ ہو، طبقات الحنابله للقاضی محمد بن ابی یعلی ۲/ ۱۸، ۱۹، مطبوعة دار المعرفة، بیروت۔ ② دیکھئے مدارج السالکین لابن قیم الجوزیة ۱/ ۸۵، مطبوعة دار الکتاب العربی، بیروت۔

نہ تھے بلکہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس فریضہ کو انجام دیتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ خاص طور پر ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہیں جو بدعتوں پر نہایت شدومد کے ساتھ نکیر فرماتے اور اہل بدعت کو اپنے سے دور رکھتے تھے۔ چنانچہ ایک بار کسی شخص کو چھینک آئی اور اس نے چھینکنے کے بعد "الحمد للّٰہ والصلوۃ والسلام علی رسول اللّٰہ" پڑھا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فوراً اسے ٹوکا اور کہا:

> "ماھكذا علمنا رسول الله ﷺ بل قال: ((اذا عطس أحدكم فليحمد اللّٰه)) ولم يقل: وليصل على رسول اللّٰه۔" ①
>
> "رسول اللہ ﷺ نے ہمیں تو اس طرح نہیں سکھایا بلکہ آپ ﷺ نے یوں فرمایا: جب کسی کو چھینک آئے تو "الحمدللّٰہ" کہے اور یہ ہرگز نہیں حکم دیا کہ "والصلاۃ والسلام علی رسول اللّٰہ" بھی پڑھے۔"

ایک دوسری روایت حضرت سالم سے مروی ہے کہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ مسجد میں بیٹھا ہوا تھا کہ ملک شام کا ایک آدمی آیا اور حج تمتع کی بابت ان سے سوال کرنے لگا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حج تمتع بہت اچھا اور بہتر حج ہے۔ اس آدمی نے کہا: لیکن آپ کے باپ تو حج تمتع سے منع کرتے تھے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جواب دیا کہ میرے باپ اگر منع کرتے تھے تو میں کیا کروں؟ جب کہ رسول اللہ ﷺ نے حج تمتع کیا ہے اور حج تمتع کرنے کا حکم بھی دیا ہے۔ اب آیا تم میرے باپ کی بات مانو گے یا رسول اللہ ﷺ کے حکم کا اتباع کرو گے؟ آدمی نے جواب دیا: نہیں، بلکہ رسول اللہ ﷺ کے حکم کا اتباع کیا جائے گا۔ ②

مذکورہ بالا آثار سے چند فائدے خاص طور سے مستنبط ہوتے ہیں:

پہلا فائدہ تو یہ ہے کہ صحابہ کرام ہر اس شخص کی تردید فرما دیتے تھے جو سنت صحیحہ کی خلاف ورزی کر رہا ہو، بلکہ اس تردید ونکیر میں ان کا رویہ کبھی سخت بھی ہو جایا کرتا تھا خواہ اس

---

① سنن الترمذی، کتاب الأدب، باب ما يقول العاطس إذا عطس، ح: ٢٧٣٨؛ المستدرك للحاكم، ٤/ ٢٦٥، ٢٦٦ وسنده حسن۔

② اسناده صحيح، سنن الترمذی، کتاب الحج، باب ماجاء فی التمتع، ح: ٨٢٤۔

کی زد میں ان کے باپ، یا بیٹے یا علما ہی کیوں نہ آ جائیں۔

دوسرا فائدہ یہ ہے کہ ''بدعت ترکیہ'' سراسر ضلالت ہے، بدعت ترکیہ سے مراد وہ اعمال ہیں جو شریعت سے ثابت ہوں مگر کمال دینداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان اعمال کو بالقصد ترک کر دیا گیا ہو، جیسا کہ متصوفہ شادی کے عمل کو ترک کر کے عزلت گزیں ہو جاتے ہیں۔ بدعت ترکیہ کے سراسر ضلالت ہونے کی دلیل اللہ رب العالمین کا یہ ارشاد کافی ہے:

﴿ يَآأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ
اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝ وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۪
وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝ ﴾ [1]

''یعنی اے اہل ایمان! جو پاکیزہ چیزیں اللہ نے تمہارے لیے حلال کی ہیں ان کو حرام نہ کرو، اور حد سے نہ بڑھو، کہ اللہ حد سے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتا، اور جو حلال وطیب روزی اللہ نے تمہیں دی ہے۔ اُسے کھاؤ اور اللہ سے کہ جس پر تم ایمان رکھتے ہو، ڈرتے رہو۔''

مذکورہ بالا دونوں آیتوں میں سے پہلی آیت کا محور صرف ایک معنی ہے اور وہ یہ ہے کہ تدیُّن (دینداری) کے طور پر اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ پاکیزہ چیزوں کو حرام نہ ٹھہرایا جائے، رب العالمین نے اس بات سے منع فرمایا ہے بلکہ اسے "اعتداء" (حد سے بڑھ جانا) قرار دیا ہے، کیونکہ یہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کے تشریعی حق (حق قانون سازی) پر تجاوز کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ تجاوز کرنے والوں کو کبھی پسند نہیں کرتا۔

دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے حلال و پاکیزہ چیزوں کی اباحت ثابت کرتے ہوئے مزید فرمایا:

((وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا))

''یعنی جو حلال وطیب روزی اللہ نے تم کو دی ہے اسے کھاؤ۔''

اس کے بعد تقویٰ کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

---

[1] ٥/ المائدة: ٨٧۔

((وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ))

''یعنی اس اللہ سے، جس پر تم ایمان رکھتے ہو، ڈرتے رہو۔''

آیت کا آخری ٹکڑا یہ بتا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیزوں کو خواہ کسی بھی شکل میں حرام ٹھہرا لینا، تقویٰ کے درجہ سے گرا ہوا فعل ہے اور یہی وجہ ہے کہ تین افراد پر مشتمل ایک جماعت جب اللہ کے رسول ﷺ کے خانہ اقدس پر آپ کی عبادت کا حال معلوم کرنے کے لیے حاضر ہوئی اور پھر آپ کی عبادت کا حال سن کر اپنے لیے اتنی عبادت کو کم سمجھا تو آپ نے فرمایا:

((أما واللّٰه انی لأخشاکم للّٰه واتقاکم له)) [1]

''سنو! تم سب میں اللہ کو سب سے زیادہ جاننے والا اور سب سے زیادہ اس سے ڈرنے والا میں ہوں۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی میں ہمیں ایسے نمونے اور بابصیرت کلمات ملتے ہیں جو مسلمان دلوں کو بصیرت کا نور عطا کرتے ہیں، صحابہ کرام کے بعد اہل حق بھی اپنی دینی بصیرت کے ذریعے سے حق کے مواقع کی حصولیابی اور تعین میں کامیاب رہے اور صحابہ کرام کے نمونوں سے ملتے جلتے نمونے چھوڑ گئے، کیونکہ وہ خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سیرت پر چلنے والے اور ان کے آثار ونقوش کی پیروی کرنے والے تھے اور سچ تو یہ ہے کہ وہ سب حق کے متلاشی اور حق کی جستجو کرنے والے تھے۔

گزشتہ صفحات میں اتباع سنت اور بدعت سے اجتناب کے سلسلہ میں اہل حق کے چند اقوال پیش کیے جا چکے ہیں۔ ان کے روشن وتابناک مؤقف کی توضیح میں یہاں ایک واقعہ اور ذکر کر رہے ہیں۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک آدمی آیا اور سوال کیا کہ اے ابو عبداللہ! میں احرام کہاں سے باندھوں؟ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا: ذوالحلیفہ سے، جہاں سے اللہ کے رسول ﷺ نے احرام باندھا تھا۔ آدمی نے کہا: میرا ارادہ یہ ہے کہ مسجد کے نزدیک قبر کے

---

[1] صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح، ح: ٥٠٦٣۔

پاس سے احرام باندھوں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ایسا مت کرو، کیونکہ اس صورت میں مجھے تم پر فتنے کا ڈر ہے۔ آدمی نے کہا کہ اس میں فتنہ کی کیا بات ہے؟ آخر میں چند میل زیادہ ہی تو کر رہا ہوں! امام مالک نے جواب دیا کہ اس سے بڑا فتنہ اور کیا ہو سکتا ہے جو تم یہ سمجھ رہے ہو کہ تم نے ایک ایسی فضیلت حاصل کر لی ہے جو فضیلت خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حاصل نہ کر سکے؟ سنو! اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ
عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝﴾

"یعنی جو لوگ رسول کے حکم سے سرتابی کرتے ہیں وہ اس بات سے بچیں کہ ان کو کوئی فتنہ پہنچے یا ان پر کوئی دردناک عذاب نازل ہو۔"[1]

---

[1] ۲۴/ النور: ٦٣۔ ملاحظہ ہو: کتاب "الاعتصام" للشاطبی ١/ ١٣٢۔

بدعت حسنہ کے قائلین کے دلائل اور ان کا جائزہ

جو لوگ بدعت حسنہ کے قائل ہیں وہ دراصل چند شبہات کی بنیاد پر بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ کی تقسیم میں الجھے ہوئے ہیں، حالانکہ غور وفکر اور صحیح توجیہ کے بعد ان شبہات کا پھسپھسا پن واضح ہو جاتا ہے۔

1 بدعت حسنہ کے قائلین کی ایک دلیل یہ روایت ہے:

((ما رآه المسلمون حسناً فهو عند الله حسن وما رآه المسلمون سيئًا فهو عند الله سيءٌ)) ①

"مسلمان جس فعل کو اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے اور مسلمان جس فعل کو برا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی برا ہے۔"

اوّلاً: یہ روایت مرفوعاً رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں بلکہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے، چنانچہ عجلونی نے "کشف الخفاء" میں حافظ ابن عبدالہادی کا یہ قول نقل کیا ہے:

"اسناده ساقط، والأصح وقفه على ابن مسعود." ②

"یعنی یہ روایت ساقط الاسناد ہے اور صحیح بات یہ ہے کہ یہ روایت ابن مسعود تک موقوف ہے، علامہ سخاوی نے بھی "المقاصد الحسنة" میں اس روایت کو موقوف قرار دیا ہے، نیز علامہ البانی "سلسلة الاحاديث الضعيفة" میں رقمطراز ہیں:

"لا أصل له مرفوعًا، وإنما ورد موقوفًا على ابن مسعود." ③

"یعنی اس روایت کی مرفوعاً کوئی اصل نہیں، بلکہ ابن مسعود پر موقوفاً وارد ہوئی ہے۔"

غرضیکہ مذکورہ بالا روایت رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں، لہٰذا یہ ان احادیث کے

---

① مسند احمد ١/ ٣٧٩؛ مستدرك حاكم ٣/ ٧٨، ٧٩۔

② ملاحظہ ہو: كشف الخفاء: ٢/ ٢٦٣۔

③ سلسلة الاحاديث الضعيفة ٢/ ١٧۔

خلاف حجت نہیں بن سکتی جن میں صراحت اور قطعیت کے ساتھ ہر بدعت کو گمراہی قرار دیا گیا ہے۔

ثانیًا: اگر مذکورہ بالا روایت کو مرفوعًا صحیح فرض کر لیا جائے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ''المسلمون'' میں ''ال'' کیسا ہے؟ اگر استغراق کے لیے ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ سارے مسلمان جس فعل کو اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک اچھا ہے اور سارے مسلمان کا مطلب یہ ہوا کہ ان کا اس پر اجماع ہو، تو اجماع کے حجت ہونے میں تو کوئی شبہ نہیں مگر جو اجماع اصولی معتبر ہے وہ یہ ہے کہ ایک ہی زمانہ میں تمام اہل علم کا کسی بات پر اجماع ہو جائے جب کہ مقلدین اہل علم میں سے نہیں۔ ①

اور اگر ''المسلمون'' میں ''ال'' جنس کے لیے مانیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ بعض مسلمان تو اس فعل کو اچھا سمجھتے ہوں اور بعض دوسرے مسلمان برا گردانتے ہوں، جیسا کہ اکثر بدعتوں کے بارے میں مسلمانوں کا حال ہے اور ایسا اس لیے ہے کہ مسلمانوں کی فکر اور ان کی رائیں ایک دوسرے سے مختلف ہیں، لہٰذا اس صورت میں تو یہ اثر بدعت حسنہ کے لیے حجت نہیں ہو سکتا۔

لہٰذا تیسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ ''المسلمون'' میں ''ال'' عہد کے لیے ہو اور اس سے مسلمانوں کا کوئی مخصوص طبقہ مراد ہو، اور یہی صحیح بھی ہے، اس لیے یہ بات متعین ہو جاتی ہے کہ اس روایت میں ''المسلمون'' سے صحابہ کرام کا طبقہ اور انہیں کا اجماع مراد ہے جیسا کہ روایت کے سیاق و سباق سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے جو درج ذیل ہے:

> "ثم نظر فی قلوب العباد بعد قلب محمد ﷺ فوجد قلوب أصحابه خير قلوب العباد فجعلهم وزراء نبيه، يقاتلون على دينه، فما رآى المسلمون حسنًا فهو عند الله حسن وما رأوا سيئا فهو عند الله سيء۔" ②

---

① تفصیل کے لیے مؤلف کی کتاب "الباب فی فقه السنة والكتاب" ص ٧٩۔٧٤ کی طرف رجوع کریں۔

② اسناده حسن، مسند احمد ١/ ٣٧٩١، ومسند طيالسى ١/ ١٣٠ ح ٢٤٣ "الفقيه والمتفقه" للخطيب ١/ ١٦٦۔

> ''یعنی محمد ﷺ کے دل کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں کو دیکھا تو آپ کے اصحاب کے دلوں کو سب سے بہتر پایا، اس لیے انہیں کو اپنے نبی کا معاون ومددگار بنادیا جو دین کے لیے قتال کرتے ہیں، پس وہ مسلمان جس چیز کو اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہے اور جسے برا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی بری ہے۔''

مذکورہ بالا روایت کے آخری ٹکڑے کو حاکم نے بھی نقل کیا اور ایک جملہ مزید انہوں نے روایت کیا ہے:

> "وقد رأى الصحابة جميعًا أن يستخلفوا أبا بكر."
>
> ''یعنی تمام صحابہ نے بالاتفاق یہ سمجھا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنادیا جائے۔'' ①

امام حاکم کے اس آخری جملہ سے ہمارے مؤقف کی تائید ہوتی ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماع ہی سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خلیفہ بنانے پر استدلال کیا تھا، نیز مذکورہ مؤقف کی اس سے مزید وضاحت ہوجاتی ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں سے ہیں جو بدعت پر شدید نکیر کرتے اور اہل بدعت سے بہت دور رہا کرتے تھے، جیسا کہ ان کے بعض اقوال وافعال اس سلسلے میں پیش کیے جاچکے ہیں۔

2 بدعت حسنہ کے قائلین کی دوسری دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہے: "نعمت البدعة هذه." ② ''یہ کیا ہی خوب بدعت ہے۔'' اسی قول کو لے کر متاخرین نے بدعت کے ''حسنہ'' ہونے پر استدلال کیا اور حدیث ((كل بدعة ضلالة)) ③ ''ہر بدعت گمراہی ہے۔'' کے عموم کو اس سے خاص کردیا ہے۔ حالانکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مذکورہ بالا قول "نعمت البدعة هذه" سے بدعت کے حسنہ ہونے پر استدلال کرنا صحیح نہیں، کیونکہ صلوۃ اللیل ایک مشروع عمل ہے اور نص حدیث سے ثابت ہے، جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ

---

① مستدرك حاكم، ٣/ ٧٨، ٧٩۔ ② صحيح بخاري، كتاب صلاة التراويح، باب فضل من قام رمضان، ح: ٢٠١٠۔ ③ صحيح مسلم، كتاب الجمعة، باب تخفيف الصلاة والخطبة، ح: ٨٦٧ (٢٠٠٥)۔

روایت کرتے ہیں:

"ان النبی ﷺ لما أحیا بالنّاس لیلة فی رمضان صلی ثمانی رکعات وأوتر۔"①

"یعنی نبی ﷺ نے جب رمضان کی ایک رات لوگوں کو لے کر شب بیداری کی تو آٹھ رکعات نماز پڑھائی اور پھر وتر ادا کیا۔"

یہی نہیں، بلکہ صلوۃ اللیل کا باجماعت ادا کرنا بھی ثابت ومشروع ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ تین رات تک صحابہ کرام کو جماعت کے ساتھ یہ نماز پڑھاتے رہے اور تین رات کے بعد اس ڈر سے جماعت موقوف کردی کہ کہیں میری امت پر صلوۃ اللیل باجماعت فرض نہ کردی جائے۔ جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کردہ حدیث میں یہ صراحت موجود ہے:

((ولکن خشیت أن تفرض علیکم فتعجزوا عنها))②

"یعنی میں نے اس ڈر سے یہ نماز باجماعت موقوف کردی ہے کہ کہیں تم پر فرض نہ کردی جائے اور پھر تم اسے ادا نہ کرسکو۔"

لیکن جب نزول وحی کا سلسلہ ختم ہوا تو وہ فکر بھی دور ہوگئی جو اللہ کے رسول ﷺ کو صلاۃ اللیل کے باجماعت فرض ہوجانے کی بابت تھی، کیونکہ علت اپنے معلول کے وجود وعدم کے اعتبار سے پیدا ہوتی اور ختم ہوتی ہے، لہٰذا جب علت زائل ہوگئی تو صلاۃ اللیل کے باجماعت ادا کرنے کی سنت اپنی جگہ برقرار رہی، یہاں تک کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا دور آیا اور انہوں نے سنت کے مطابق گیارہ رکعت باجماعت ادا کرنے کا حکم نافذ کردیا اور اس طرح سے انہوں نے اس سنت کا دوبارہ احیا کیا۔③

3 بدعت حسنہ کے قائلین کی تیسری دلیل "من سن فی الاسلام سنة حسنة" والی

---

① اسناده صحیح، صحیح ابن خزیمة: ۱۰۷۰؛ صحیح ابن حبان: ۲٤۰۹، ۲٤۱۵ باختلاف یسیر۔ یہ روایت اس بات کا صریح ثبوت ہے کہ تراویح کی نماز وتر کے علاوہ کل آٹھ رکعت ہے۔

② صحیح بخاری، کتاب الجمعة، باب من قال فی الخطبة، ح ۹۲٤۔

③ موطا امام مالك، ۱/ ۱۱٤، ح: ۲٤۹؛ السنن الکبریٰ للبیهقی، ۲/ ٤۹٦ وسنده صحیح؛ الاعتصام للشاطبی، ۱/ ۱۹۳، ۱۹۵۔

روایت ہے، لیکن اس سلسلہ میں اہل بدعت کے استدلال کا جائزہ لینے اور ان کا بطلان واضح کرنے سے پیشتر "من سن فی الاسلام سنة حسنة" والی روایت مکمل پیش کر دینا مناسب سمجھتے ہیں۔ اس حدیث کے راوی حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ ہیں وہ کہتے ہیں:

"كنا عند رسول الله ﷺ في صدر النهار، قال: فجاءه قوم حفاة عراة مجتابي النمار أو العباء، متقلدي السيوف، عامتهم من مضر، بل كلهم من مضر، فتمعر وجه رسول الله ﷺ لما رأى بهم من الفاقة، فدخل ثم خرج، فأمر بلالاً فأذّن وأقام فصلّى ثم خطب فقال: ((﴿يا يها الناس اتقوا ربكم الذي خلقكم من نفس واحدة......﴾ الآية، (٤/ النساء: ١) والآية التي في الحشر ﴿يايها الذين آمنوا اتقوا الله ولتنظر نفس ماقدمت لغد......﴾)) (٥٩/ الحشر: ١٨) تصدق رجل من ديناره، من درهمه، من ثوبه، من صاع برّه، من صاع تمره، حتى قال: ((ولو بشق تمرة)) قال: فجاء رجل من الانصار بصرة كادت كفه تعجز عنها بل قد عجزت، قال: ثم تتابع الناس حتى رأيت كومَين من طعام وثياب حتى رأيت وجه رسول الله ﷺ يتهلهل كأنه مذهبة، فقال رسول الله ﷺ: ((من سن في الاسلام سنة حسنة فله أجرها وأجر من عمل بها بعده، من غير أن ينقص من أجور هم شيء، ومن سن في الاسلام سنة سيئة كان عليه وزرها ووزر من عمل بها من بعده، من غير أن ينقص من اوزارهم شيء)) ❁

❁ صحيح مسلم، كتاب العلم، "باب من سن سنة حسنة او سيئة" ح ١٠١٧ (٢٣٥١)۔

''یعنی ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس دن کے ابتدائی حصہ میں موجود تھے، اتنے میں آپ کے پاس کچھ لوگ آئے جن کے پاؤں میں جوتے اور بدن پر کپڑے نہیں تھے، ان کی چادریں پھٹی ہوئی تھیں اور وہ تلوار لٹکائے ہوئے تھے، ان میں سے اکثر بلکہ سارے ہی قبیلہ مضر سے تعلق رکھتے تھے، ان کا فاقہ دیکھ کر آپ کا چہرۂ مبارک متغیر ہوگیا اندر تشریف لے گئے، پھر باہر نکلے اور حضرت بلال ؓ کو اذان کا حکم دیا، بلال نے اذان دی، اس کے بعد اقامت کہی اور آپ نے نماز پڑھائی، نماز سے فارغ ہوکر ایک خطبہ دیا جس میں

﴿ يَاأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ ...... ﴾ ①

''یعنی اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا ......۔'' اور

﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ ...... ﴾ ②

''یعنی اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر شخص کو دیکھنا چاہیے کہ اس نے کل قیامت کے لیے کیا سامان بھیجا ہے۔''

کی تلاوت فرمائی اور لوگوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے دینار سے، درہم سے، کپڑے سے، کھجور سے حتیٰ کہ کھجور کی ایک قاش سے بھی صدقہ کریں۔ راوی کہتے ہیں کہ یہ سن کر ایک انصاری صحابی ایک تھیلہ لے کر حاضر ہوئے، قریب تھا کہ ان کی ہتھیلی اس تھیلے کے بوجھ سے عاجز ہوجاتی بلکہ عاجز ہوگئی تھی۔ پھر دوسرے لوگوں کے لانے کا سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ کھانے اور کپڑے کے دو ڈھیر اکٹھے ہوگئے اور میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کا رخ انور خوشی سے سونے کی مانند چمکنے لگا، اس موقع پر آپ نے فرمایا:

((من سن في الاسلام سنة حسنة......)) (الحديث)

کہ جس نے اسلام میں کوئی سنت حسنہ جاری کی تو اس کو اس سنت حسنہ کا اجر اور اس

---

① ٤/ النساء: ١۔ ② ٥٩/ الحشر: ١٨۔

کے بعد اس سنت حسنہ پر عمل کرنے والوں کا اجر ملے گا، اور سنت حسنہ پر عمل کرنے والوں کے اجر میں ذرا بھی کمی نہ ہوگی اور جس نے اسلام میں کوئی سنت سیئہ یعنی برا طریقہ ایجاد کیا تو اس پر خود اس کا گناہ اور اس کے بعد اس برے طریقہ پر چلنے والوں کا گناہ ہوگا مگر اس برے طریقہ پر چلنے والوں کے گناہ میں کمی بھی نہیں ہوگی۔"

مذکورہ بالا حدیث کے سیاق وسباق کی رعایت کے بغیر اگر کوئی شخص صرف "من سن فی الاسلام سنة حسنة" والے ٹکڑے سے استدلال کرتا ہے تو اس کی مثال بالکل ویسی ہی ہے جیسے کوئی شخص "ویل للمصلین" "ویل ہے نمازیوں کے لیے" پڑھ کر بعد کا حصہ ادھورا چھوڑ دے۔ ظاہر ہے یہ صورت حقیقت کو الٹ کر دینے کے مترادف ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نمازیوں کو دھمکی نہیں دی ہے، بلکہ اس نے تو نماز قائم کرنے کا حکم دیا ہے۔ ہاں! دھمکی کچھ مخصوص قسم کے نمازیوں کو دی ہے، جن کی وضاحت اس نے فوراً ہی بعد کر دی ہے، فرمایا:

﴿الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ۝ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ۝﴾ ①

"یعنی ویل (ہلاکت) ان نمازیوں کے لیے ہے جو نماز کی طرف سے غافل رہتے ہیں، جو ریا کاری کرتے ہیں اور برتنے کی چیزیں عاریتاً نہیں دیتے۔"

یا اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو "لا تقربوا الصلاة" "یعنی نماز کے قریب نہ جاؤ" کا حصہ پڑھ کر باقی آیت کو مکمل نہ کرے، حالانکہ اللہ تعالیٰ یہ فرما رہا ہے کہ

﴿لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى﴾ ②

"یعنی اس حال میں تم نماز کے قریب نہ جاؤ جب کہ تم نشہ میں مست ہو۔"

ٹھیک اسی طرح حدیث کا سیاق وسباق بھی "من سن فی الاسلام سنة حسنة یا" "من ابتدع فی الاسلام بدعة حسنة" کی اس تفسیر کی تردید کرتا ہے جو اہل بدعت کے یہاں رائج ہے اور جس کے ذریعے سے انہوں نے "کل بدعة ضلالة" ③ کے

---

① ١٠٧/ الماعون: ٥تا٧۔ ② ٤/ النساء: ٤٣۔

③ صحیح مسلم: ٨٦٧ (٢٠٠٥) كما تقدم۔

عموم کو خاص کر دیا ہے، کیونکہ جس واقعہ کے ضمن میں آپ نے یہ کلمات ارشاد فرمائے ہیں اس میں انصاری صحابی کا عمل اتنا تھا کہ انہوں نے صدقہ دینے کی ابتدا کر دی تھی جو کہ ایک مشروع و منصوص عمل ہے، ظاہر ہے کہ ایک مشروع عمل کی ابتدا کر دینے کی وجہ سے اس انصاری صحابی کے بارے میں یہ ہرگز نہیں کہا جا سکتا کہ انہوں نے بدعت حسنہ ایجاد کی بلکہ یہ کہا جائے گا کہ ایک ''سنت حسنہ'' کا اجرا کیا، گویا ''سنت حسنہ'' کے جاری کرنے کا مطلب یہ ہوا کہ وہ مشروع عمل جو لوگوں کے درمیان متروک ہو گیا ہو اس کا دوبارہ احیا کر دیا جائے۔ چنانچہ موجودہ زمانہ میں اگر کوئی شخص کسی ایسی سنت کا احیا کر دے جسے لوگ متروک کر چکے ہوں تو کہا جائے گا کہ اس نے ایک سنت حسنہ کو زندہ کیا، یہ ہرگز نہیں کہا جائے گا کہ اس نے بدعت حسنہ ایجاد کی۔ لہٰذا ''سنت حسنہ'' کا اجرا یہ ہے کہ وہ عمل جو اصلاً مشروع اور نص صحیح سے ثابت ہو مگر لوگوں نے اسے متروک کر دیا ہو اور پھر کوئی شخص اسے لوگوں کے درمیان ترویج دیدے، جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نماز تراویح باجماعت ادا کرنے کی سنت کا اپنے عہد خلافت میں دوبارہ احیا کیا۔

ابھی گزشتہ سالوں کی بات ہے کہ ملک شام میں لوگ عیدین کی نماز مسجدوں میں پڑھا کرتے تھے، کیونکہ ان کا خیال تھا کہ عام نمازوں کی طرح عیدین کی نماز بھی مسجد ہی میں ادا کرنی مسنون ہے، چنانچہ وہاں کچھ سنت کے علمبردار پیدا ہوئے جنہوں نے یہ بتایا کہ عیدین کی نماز مسجدوں میں نہیں بلکہ عیدگاہ میں ادا کی جائے گی۔

اسی طرح وہاں کے بہت سے علاقوں میں اکثریت یہ سمجھنے لگی کہ نماز تراویح بیس رکعت ہے، چنانچہ انہوں نے اس سلسلہ میں بھی ان کو سنت صحیح کی طرف راہنمائی کی اور بتایا کہ اس سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب کا عمل کیا رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کے دعاۃ و مبلغین کو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ انہوں نے ''بدعت حسنہ'' ایجاد کی بلکہ یہ کہا جائے گا انہوں نے ''سنت حسنہ'' کا احیا کیا مثلاً: جو متروک سنتیں آج اپنی احیا و تنفیذ کے لیے کسی علمبردار سنت کی منتظر ہیں وہ اللہ کی نازل کردہ شریعت ہے جسے طاغوت نے تنفیذ سے روک رکھا ہے اور اسے اہل مغرب کے ردی خیالات اور مشرکوں کے باطل افکار سے

بدل کر معاشرہ کے ہر فرد کے لیے نہایت ہی کمزور بنا دیا ہے۔ ایسی صورت میں اگر کوئی حاکم وقت انسانیت کو اس مغربی وبا سے نکال کر نجات کی راہ پر لاتا اور ان کی زندگی میں اللہ کی شریعت کو نافذ کرتا ہے تو کہا جائے گا کہ اس نے اسلام کے اندر "سنت حسنہ" جاری کی، اور اگر شریعت الٰہی کی تنفیذ میں دیگر امراء و حکام بھی حاکم اول کی اقتدا شروع کر دیں تو ان کا اجر بھی حاکم اول کو ملے گا مگر خود ان کے اجر و ثواب میں کوئی کمی نہ ہوگی۔

یا اس کے برعکس مثلاً محمد علی پاشا نے جب فرانس کے قوانین مملکت حاصل کر کے اور رفاعہ طہطاوی سے اس کا ترجمہ کرا کر مصر میں نافذ کر دیا پھر اس کے بعد جو امراء و حکام ہوئے انہوں نے بھی اسی کی پیروی کی۔ چنانچہ اس کے بارے میں یہ کہا جائے گا کہ اس نے اسلام کے اندر "سنت سیئہ" یعنی برا طریقہ ایجاد کیا۔

4 بدعت حسنہ کے قائلین کی چوتھی دلیل قرآن شریف کی یہ آیت ہے:

﴿وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللَّهِ فَمَا
رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۖ فَآتَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا مِنْهُمْ أَجْرَهُمْ ۖ وَكَثِيرٌ
مِنْهُمْ فَاسِقُونَ﴾ ①

"یعنی لذت سے کنارہ کشی تو انہوں نے خود ایک نئی بات نکال لی تھی، ہم نے ان کو اس کا حکم نہیں دیا تھا، مگر انہوں نے اپنے خیال میں اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے آپ ہی ایسا کر لیا تھا، پھر جیسا اس کو نباہنا چاہیے تھا، نباہ بھی نہ سکے، پس جو لوگ ان میں سے ایمان لائے ان کو ہم نے اس کا اجر دیا اور ان میں سے بہت سے نافرمان ہیں۔"

مگر حقیقت یہ ہے کہ اس آیت میں کسی پہلو سے بھی بدعت کے مستحسن ہونے کی کوئی دلیل نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے قول "الا ابتغاء رضوان الله" کا تعلق "ابتدعوها" سے ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر یہ بات فرض نہیں کی تھی بلکہ تقرب الی اللہ کی نیت سے انہوں نے خود رہبانیت اختیار کر لی تھی، اور اس سے ان کی مذمت ثابت ہوتی

---

① ٥٧/ الحديد:٢٧۔

ہے کہ حکم الٰہی کے بغیر انہوں نے اپنے اوپر لذات سے کنارہ کشی لازم قرار دے رکھی تھی اور مزید عیب و مذمت کی بات یہ ہے کہ اس بدعت کو گھڑ کر اور اپنے اوپر لازم کر کے اس کو نباہ بھی نہ سکے۔

اور اگر "الا ابتغاء رضوان الله" کا تعلق "ماکتبنا ھا" سے ہے تب بھی یہ آیت بدعت کے مستحسن ہونے کی دلیل نہیں بن سکتی، کیونکہ اس صورت میں آیت کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ انہوں نے رہبانیت کی بدعت ایجاد کر کے اپنے اوپر لازم کر لی تو ان پر رہبانیت فرض قرار دے دی گئی اور اللہ احکم الحاکمین کی جانب سے ان پر ایک مشروع دین کی حیثیت سے نافذ ہوگئی اور یہ کوئی عجیب بات نہیں، بلکہ یہ بھی شریعت کی تنفیذ کا ایک انداز ہے، خود شریعت محمدیہ میں اس قسم کی متعدد مثالیں موجود ہیں کہ صحابہ کرام میں سے کسی نے کوئی ایسا عمل کیا یا کوئی ایسی بات کہی جو پہلے سے مشروع نہ تھی اور آپ نے اسے برقرار رکھا اور آپ کے برقرار رکھنے سے اس عمل یا قول کو تشریعی حیثیت حاصل ہوگئی۔ مگر یہ صورت صرف آپ کی زندگی تک محدود تھی، آپ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد اب شریعت مین کسی اضافہ کی گنجائش نہیں رہی کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے ساتھ ہی شریعت کی تکمیل ہوگئی، جنت سے قریب کرنے والا کوئی عمل ایسا نہیں جس کی آپ نے راہنمائی نہ فرما دی ہو اور جہنم کی طرف لے جانے والا کوئی فعل ایسا نہیں جس سے ڈرا نہ دیا ہو۔

خلاصہ گفتگو یہ ہے کہ مذکورہ بالا آیت میں شریعت محمدیہ سے پہلے کی شریعت کا بیان ہے اور دلائل و براہین کی روشنی میں علم اصول کے اندر یہی بات راجح قرار پائی ہے کہ سابق انبیا کی لائی ہوئی شریعتیں ہماری شریعت نہیں، ان دلائل میں سے ایک دلیل رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد ہے:

> ((أعطيت خمسًا لم يعطهن أحد من الأنبياء قبلي...... فذكرها وآخرها...... وكان النبي يبعث الى قومه خاصة وبعثت الى الناس عامّة)) [1]

---

[1] صحيح بخاری، كتاب التيمم، باب التيمم، ح: ٣٣٥۔

> یعنی اللہ کی جانب سے مجھے پانچ چیزیں ایسی عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں ملی تھیں...... چنانچہ ان پانچ چیزوں کا ذکر کرتے ہوئے آخری چیز کے بارے میں فرمایا کہ...... ہر نبی خاص اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا اور میں ساری انسانیت کے لیے بھیجا گیا ہوں۔"

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ انبیائے سابقین کی شریعتیں انہی کی قوموں کے لیے خاص ہوا کرتی تھیں، لہٰذا اسلام اپنے جملہ عقائد و عبادات اور احکام و شرائع کے ساتھ ایک مستقل و مکمل شریعت ہے جو کسی اور شریعت کی محتاج نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ نے شریعت اسلامیہ کو سابقہ شریعتوں کے لیے اس معنی میں ناسخ قرار دیا ہے کہ مسلمان صرف شریعت اسلامیہ کی طرف ہی رجوع کریں، کیونکہ یہی وہ شریعت ہے جو اپنے جملہ اصول و فروع کے ساتھ محفوظ ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام بندوں کی خاطر قیامت تک کے لیے پسند فرمالیا ہے۔ اب اس مکمل و محفوظ شریعت کے بعد مغضوب علیہ اور گمراہ یہود و نصاریٰ کی شریعت کیسے ہماری شریعت ہوسکتی ہے؟ جب کہ وہ تصحیف و تحریف کے نتیجہ میں ضلالت و بطلان، شرک و کفر اور فساد و خرافات سے لبریز بھی ہے۔

سابقہ شریعتوں کو قبول کر لینے کا مطلب یہ ہے کہ شریعت محمدیہ اس بات کی محتاج ہے کہ غیر اختلافی امور میں وہ اہل کتاب کی شریعت سے اپنی تکمیل کرے، حالانکہ شریعت محمدیہ میں اس سلسلہ کے صریح نصوص موجود ہیں کہ ہر چھوٹے بڑے معاملہ میں اہل کتاب کی مخالفت کی جائے۔ کتاب اللہ، سنت رسول اور سلف صالحین کی سیرت پر غور و فکر کرنے والا اس حقیقت تک پہنچ سکتا ہے کہ مسلمان اور اہل کتاب کے درمیان ایک ایسی دیوار حائل ہے جسے عبور نہیں کیا جاسکتا اور یہی حقیقت اسے اہل کتاب سے دور رہنے کی تعلیم بھی دیتی ہے۔

شارع علیہ السلام نے اپنے فرمان کے ذریعے سے درحقیقت ایک بہت ہی اہم اصول پیش کیا ہے اور وہ اصول یہ ہے کہ اہل کتاب اور دیگر امتوں کی جان بوجھ کر مخالفت کی جائے، تاکہ منہج و کردار کی روشنی میں امت محمدیہ کا امتیاز قائم ہوسکے اور اس کے افعال و عبادات دیگر امتوں کے افعال و عبادات کے ساتھ خلط ملط نہ ہوجائیں۔ چنانچہ شیخ الاسلام

ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "اقتضاء الصراط المستقیم" (ص: ۱۱۔۳۱) میں اس اصول پر بڑی اچھی بحث کی ہے اور "شرع ما قبلنا شرع لنا" (یعنی سابقہ شریعتیں بھی ہماری شریعت ہیں) کے قاعدہ کا بطلان واضح کیا ہے، اس طرح امام شاطبی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''الاعتصام'' میں لکھتے ہیں کہ

> "فیبقی ما کان شرعًا لغیرنا منفیًا عن شرعنا، کما تقرر فی علم الأصول۔"①

''یعنی امت محمدیہ کے علاوہ کی شریعت امت محمدیہ کی شریعت سے الگ ہے، جیسا کہ علم اصول میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے۔'' دیکھا جائے تو امام شاطبی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کا پرتو معلوم ہوتا ہے اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ ان میں سے ایک مشرق کے رہنے والے ہیں اور دوسرے مغرب کے، لیکن علم کے صحیح منہج اور اسلام کو ہر قسم کے شائبہ سے پاک وصاف رکھنے کے سچے جذبہ نے ان دونوں کو اختلاف دیار کے باوجود وحدت فکر کے رشتہ سے باہم مربوط کر دیا ہے۔

اس سلسلہ میں جس شخص کو مزید معلومات درکار ہوں وہ علم اصول کی مفصل کتابوں کا اور بالخصوص غیر مقلد مؤلفین کی کتابوں مثلاً "الاحکام فی اصول الاحکام" لابن حزم الاندلسی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا مطالعہ کریں۔

جو لوگ "شریعۃ من قبلنا شریعۃ لنا" کے قائل ہیں اگر بالفرض ان کی بات درست مان بھی لی جائے تو دو شرطوں کے ساتھ یہ ممکن ہے:

① پہلی شرط یہ ہے کہ باوثوق ذریعے سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچے کہ ان کی شریعت وہی شریعت ہے جو اللہ نے ان کے لیے نازل کی تھی۔

② دوسری شرط یہ ہے کہ پیش آمدہ مسئلہ کا شریعت محمدیہ میں کوئی خاص بیان وارد نہ ہوا ہو۔

بہر حال اس آخری صورت کو صحیح فرض کر لینے پر بھی "ورھبانیۃ ابتدعوھا......" والی آیت کریمہ بدعت حسنہ کے قائلین کی حجت نہیں بن سکتی کیونکہ شریعت محمدیہ نے یہ

---

① الاعتصام للشاطبی، ۱/ ۳۳۲۔

اصول پیش کر دیا ہے کہ ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں لے جانے والی ہے۔

5 بدعت حسنہ کے قائلین کی پانچویں دلیل "عرف عام" ہے، یعنی یہ کہ عام لوگ ایسا ہی اعتقاد رکھتے ہیں اس لیے "عرف عام" کے ذریعے سے حدیث کے عموم کی تخصیص کر دی جائے گی۔

لیکن اس جگہ یہ بات ملحوظ رکھنی چاہیے کہ حدیث کے عموم کی تخصیص اس دلیل سے کی جاسکتی ہے جو کتاب اللہ یا سنت رسول یا اجماع امت سے نصًا یا استنباطًا ثابت ہو، بعض ممالک یا اکثر ممالک کے عادات واعمال کو یا بعض علما یا اکثر علما کے اقوال کو رسول اللہ ﷺ کی حدیث کا معارض نہیں ٹھہرایا جاسکتا۔

اگر کوئی اس وہم میں مبتلا ہو کہ حدیث رسول کے خلاف یہ عادات ایسی ہیں کہ اکثر وبیشتر پر سب کا اتفاق ہے، کیونکہ امت نے ان عادات کو منکر نہ جان کر انہیں برقرار رکھا ہے، تو ایسے شخص کا نظریہ غلط ہے، کیونکہ ہر زمانے اور ہر دور میں کچھ اہل حق ایسے موجود رہے ہیں جو منکر عادات پر نکیر کرتے آئے ہیں۔

رہی بات عام لوگوں کے عادات واعمال پر اعتماد کرنے کی، تو جب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں اکثر علما نے اہل مدینہ کے عمل اور ان کے اجماع پر اعتماد نہیں کیا بلکہ سنت رسول ہی کو انہوں نے حجت و دلیل مانا، باوجودیکہ وہ ایمان اور علم کی دولت سے سرفراز تھے، تو پھر عام لوگوں کے افعال اور ان کے غلط عرف وعادات کو کیونکر دلیل بنایا جاسکتا ہے؟ یا ان لوگوں کے اقوال کو حدیث رسول کے مقابلہ میں کیونکر پیش کیا جاسکتا ہے؟ جو عوام الناس کی پیروی کرتے ہیں یا وہ جو جہالت کے سردار ہیں، علم راسخ انہیں حاصل ہے نہ ہی اولوالامر میں ان کا شمار ہے، بلکہ شاید اللہ اور اللہ کے رسول پر ان کا کامل ایمان بھی نہ ہو۔ کسی شاعر نے سچ کہا ہے:

الحر من خرق العادات منتهجا نهج الصواب ولو ضد الجماعات
ومن اذا خذل الناس الحقيقة عن جهل أقام لها فى الناس رأيات
ولم يخف فى اتباع الحق لائمة ولو أتته بحد المشرفات

یعنی حقیقت میں شریف وہ ہے جو عادات وتقالید سے نکل کر ہدایت کی شاہراہ پر چل پڑے خواہ لوگوں کی مخالفت ہی کیوں نہ ہو۔

اور شریف وہ ہے کہ لوگ جب جہالت کی بنا پر حق کو چھوڑ بیٹھیں تو لوگوں کے درمیان وہ حق کا علَم بلند کر دے۔

اتباع حق کی راہ میں وہ کسی ملامت گر کی کوئی پروا نہ کرے، خواہ اسے تلوار کے نیچے ہی کیوں نہ آنا پڑے۔

دینی بھائیو! حق لوگوں کی تعداد یا پروپیگنڈوں سے نہیں پہچانا جاتا، بلکہ حق کی پیشانی پر نور کی ایک علامت ہوتی ہے جو برابر چمکتی رہتی ہے، خواہ وہ زندگی میں تن تنہا اور معاشرہ میں بالکل اکیلا ہی کیوں نہ ہو، چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"الجماعة ماوافق الحق وان كنت وحدك." [1]

''یعنی جماعت وہی ہے جو حق پر ہو خواہ تم تنہا ہی کیوں نہ ہو۔''

بعض دیگر اسلاف کا قول ہے: "عليك بطريق الحق و لا تستوحش لقلة السالكين، واياك وطريق الباطل، ولا تغتر بكثرة الهالكين۔" [2] ''یعنی حق کی راہ اپناؤ اور حق کے پیروکاروں کی قلت دیکھ کر مرعوب نہ ہو جاؤ، اور باطل کی راہ سے بچو اور باطل کی راہ پر چل کر ہلاک ہونے والوں کی کثرت تعداد سے دھوکا نہ کھاؤ۔''

اسلاف کرام کے یہ اقوال درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات سے ماخوذ ہیں جو آپ نے جماعت حق کے سلسلہ میں بیان فرمائے تھے کہ وہ جماعت وہ ہوگی کہ جب سواد اعظم میں بگاڑ پیدا ہو جائے گا تو سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سختی سے عمل پیرا ہوگی اور راہ حق سے ہٹے ہوئے لوگوں کی مخالفتوں کی پروا نہ کرتے ہوئے صراط مستقیم پر گامزن رہے گی، کیونکہ باطل پر چلنے والے اگر چہ تعداد میں زیادہ ہوں گے مگر قدر و منزلت کے اعتبار سے ان کی کوئی حیثیت نہ ہوگی۔

---

[1] تاریخ دمشق لابن عساکر، ٤٠٩/٤٦؛ شرح اصول اعتقاد للالکائی: ١٣٩ وسنده حسن۔

[2] مدارج السالکین لابن القیم، ١/ ٢٢۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((ان الاسلام بدأ غریبًا وسیعود غریبًا کما بدأ، فطوبیٰ للغرباء)) قیل: من هم یا رسول اللّٰه؟ قال: ((الذین یصلحون إذا فسد الناس)) ①

''یعنی اسلام کا ظہور اس حال میں ہوا کہ وہ لوگوں کی نگاہ میں اجنبی تھا اور پھر ایک وقت آئے گا کہ پہلے ہی کی طرح اجنبی ہو جائے گا، سو اس وقت مبارکباد ہو ''غرباء'' (اجنبیوں) کے لیے۔'' صحابہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! وہ ''غرباء'' کون لوگ ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: ''غرباء'' وہ لوگ ہوں گے کہ جب لوگوں میں فساد پیدا ہو جائے گا تو اصلاح کا بیڑا اٹھائیں گے۔''

وہ ''غرباء'' جو لوگوں کے درمیان اصلاح کا بیڑا اٹھائیں گے وہ سنت رسول کی پیروی اور بدعات و خرافات سے اجتناب اور ان کی بیخ کنی کے سبب تعداد میں نہایت تھوڑے ہوں گے۔ جیسا کہ ایک دوسری حدیث میں آپ نے پیشین گوئی فرمائی تھی:

((طوبیٰ للغرباء، اناس صالحون فی اناس سوء کثیر، من یعصیهم أکثر ممن یطیعهم)) ②

''یعنی وہ ''غرباء'' برے لوگوں کی بھاری اکثریت کے درمیان چند صالح لوگ ہوں گے، ان کے مخالفین کی تعداد بھی ان کے پیروکاروں کی تعداد سے زیادہ ہوگی۔''

مومن بھائیو! اس بات کی کوشش کرو کہ سنت کی پیروی کر کے اور بدعت اور اہل بدعت سے کنارہ کش ہو کر رسول اللہ ﷺ کے بھائیوں کی صف میں شامل ہو جاؤ جن کے دیکھنے کی آپ نے ان الفاظ میں تمنا ظاہر فرمائی تھی:

((وددت أنا قد رأینا إخواننا)) قالوا: أولسنا إخوانك یارسول

---

① صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان ان الاسلام بدأ غریبا، ح: ١٤٥ (٣٧٢)
"الذین یصلحون......" والے الفاظ مشکل الآثار للطحاوی، (٦٩٢) کے ہیں ج 689 ضعیف 1704

② حسن، کتاب الزهد الکبیر للبیهقی: ٢٠٣؛ مسند احمد ٢/ ١٧٧ والصحیحة للالبانی: ١٦١٩۔

اللّٰہ؟ قال: ((أنتم أصحابی، وإخواننا الذین لم یأتوا بعد)) ①

''میری خواہش تھی کہ اپنے بھائیوں کو دیکھ لیتا۔'' صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا ہم آپ کے بھائی نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''تم میرے اصحاب ہو اور میرے بھائی وہ ہیں جو اب تک نہیں آئے ہیں۔''

چنانچہ آپ کے بعد یہی ''غرباء'' آپ کے بھائی ہیں جو اختلاف امت کے وقت آپ کی سنتوں کو مضبوطی سے پکڑنے والے اور ضلالت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں منہاج نبوت پر چلنے والے ہیں، ان ہی کے لیے سعادت ہے اور یہی اچھے انجام سے سرفراز ہوں گے۔

6 ''مخصوص منہیات''...... بدعت حسنہ کے قائلین کی ایک دلیل یہ ہے کہ "کل بدعة ضلالة" کو ان معصیات پر محمول کر لیا جائے جن سے شارع علیہ السلام نے خصوصیت کے ساتھ منع فرمایا ہے۔ مثلاً: زنا، چوری اور سود وغیرہ۔

مگر یہ توجیہ صحیح نہیں، کیونکہ ایسی صورت میں حدیث کے حکم کی افادیت ہی ختم ہو کر رہ جاتی ہے اور یہ ایک قسم کی تحریف بلکہ الحاد ہے اور اس سے مندرجہ ذیل خرابیاں بھی پیدا ہوتی ہیں۔

الف: مذکورہ بالا حدیث سے اعتماد اٹھ جاتا ہے، کیونکہ اس تخصیص کی صورت میں منہی عنہ فعل کی علت معلوم کرنا ہوگی۔

ب: ''بدعت'' کا لفظ بے اثر ہو کر رہ جاتا ہے۔

ج: ہر وہ بدعت جس کی ممانعت آئی ہے، خاص نہیں، اور نہ ہی ہر وہ فعل بدعت ہے جس کی خصوصیت سے ممانعت آئی ہے۔ گویا بدعت اور منہی عنہ دو الگ الگ چیزیں ہیں، تو ایک کو بول کر دوسرے کو مراد لینا ایک طرح کی تلبیس و تدلیس ہے۔

د: اگر ان معصیات پر محمول کر لیا جائے جن کی خصوصیت کے ساتھ ممانعت آئی ہے تو

---

① صحیح مسلم، کتاب الطهارة، باب استحباب اطالة الغرة والتحجیل فی الوضوء، ۲٤۹ (٥٨٤)۔

پھر بدعتوں پر ''بدعت'' کا اطلاق نہیں ہو پاتا، کیونکہ بدعت اس فعل کو کہتے ہیں جس کی مشروعیت پر قطعاً کوئی دلیل نہ ہو، لیکن معصیت وہ فعل ہے جس سے دور رہنے اور اس کو نہ کرنے کی شریعت میں دلیل موجود ہو۔

ہ: پانچویں خرابی یہ لازم آتی ہے کہ اس صورت میں بدعت اور معصیت دونوں ایک ہو جاتے ہیں، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ بدعت معصیت سے کہیں زیادہ بری چیز ہے۔ جیسا کہ امام سفیان ثوری نے فرمایا ہے:

> "البدعة أحب الى ابليس من المعصية، فان المعصية يتاب منها والبدعة لا يتاب منها۔" ①
>
> ''بدعت ابلیس کے نزدیک معصیت سے زیادہ عزیز ہے، کیونکہ معصیت سے تو بندہ توبہ بھی کر لیتا ہے مگر بدعت سے توبہ کرنے کی اسے توفیق نہیں ہوتی۔''

بدعت و معصیت کا یہی فرق احادیث میں بھی بیان ہوا ہے، مثلاً: معصیت کی مثال صحیح بخاری کی اس روایت میں ملتی ہے کہ ایک آدمی تھا جسے ''حمار'' (گدھا) کہا جاتا تھا، وہ شراب پیتا تھا اور رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر آپ کو ہنساتا تھا اور جب یہ پکڑ کر آپ کی خدمت میں لایا گیا تو اس پر حد جاری ہوئی۔ ایک بار کسی نے اس پر لعنت بھیج دی اور کہا کہ اس پر اللہ کی لعنت ہو، کیسا شخص ہے کہ بار بار پکڑ کر آپ کے پاس لایا جاتا ہے...... یہ سن کر آپ نے فرمایا:

> ((لا تلعنه فإنه يحب الله ورسوله)) ②
>
> ''اس پر لعنت نہ بھیجو! کیونکہ وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہے۔''

اس کے برعکس بدعت کی مثال صحیحین کی اس روایت میں موجود ہے کہ نبی ﷺ مال تقسیم فرما رہے تھے، اتنے میں ایک آدمی جس کی پیشانی ابھری ہوئی تھی، ڈاڑھی گھنی تھی، سر

---

① مجموع الفتاوی، ١١/٤٧٢۔ ② صحیح بخاری، کتاب الحدود، باب ما یکرہ من لعن شارب الخمر، رقم: ٢٧٨٠۔

منڈا ہوا تھا اور پیشانی پر سجدوں کے نشان تھے، آیا اور آپ کی تقسیم پر اعتراض کرنے لگا، تو آپ نے فرمایا:

> ((يخرج من ضنضئ هذا قوم يحقر أحدكم صلاته مع صلاتهم، وصيامه مع صيامهم وقراءته مع قراءتهم، يقرؤون القرآن لا يجاوز حناجرهم، يمرقون من الاسلام كما يمرق السهم من الرمية لئن ادركتهم لأقتلنهم قتل عاد)) ✲
>
> ''یعنی اس شخص کی نسل سے ایک قوم پیدا ہوگی جو بظاہر ایسی ہوگی کہ ان کی نمازوں کے ساتھ تم اپنی نمازوں کو، ان کے روزوں کے بالمقابل تم اپنے روزوں کو اور ان کی قراءت کے سامنے اپنی قراءت کو حقیر جانو گے، وہ قرآن تو پڑھیں گے مگر قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا اور دین سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر شکار کے بیچ سے نکل جاتا ہے، اگر میں نے انہیں پایا تو قوم عاد کی طرح انہیں قتل کروں گا۔''

اب قابل غور بات یہ ہے کہ اوّل الذکر واقعہ میں آپ نے شراب نوش پر لعنت بھیجنے سے منع فرمایا اور اس کے صحیح العقیدہ ہونے کی شہادت دی، جو اس چیز کا قطعی ثبوت ہے کہ معصیت عمل میں انحراف اور کوتاہی کا نام ہے۔

لیکن دوسرے واقعہ میں باوجودیکہ جس شخص نے آپ کی تقسیم پر اعتراض کیا تھا اس کی پیشانی پر سجدوں کے نشان تھے، مگر آپ نے اس کی نسل کو نماز، روزہ، تلاوت قرآن اور ان کے دیگر ظاہری زہد وعبادت کے باوجود قتل کرنے کا حکم دیا، کیونکہ وہ بدعتی تھے اور اس زمرہ سے تھے جس پر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے مسجد میں حلقہ بنا کر تسبیح خوانی کرنے سے ٹوکا تھا۔ چنانچہ اس کے بعد حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں صحابہ کرام نے نہروان کے دن اس بدعتی گروہ سے قتال کیا، بلکہ بدعت ایجاد کرنے اور کسی بدعتی کو پناہ دینے

✲ صحيح بخاری، كتاب الانبياء، رقم: ٣٣٤٣؛ صحيح مسلم، كتاب الزكوٰة، ٢٤٥١، (١٠٦٤)۔

کے سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ نے یہاں تک تنبیہ فرمادی ہے:

((من أحدث فیھا أو آویٰ محدثا فعلیہ لعنة اللّٰہ والملائکة والناس أجمعین)) ①

”یعنی جس شخص نے دین میں کوئی بدعت ایجاد کی یا کسی بدعت ایجاد کرنے والے کو پناہ دی تو اس پر اللہ کی، فرشتوں کی اور سارے لوگوں کی لعنت ہو۔“

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اسلام میں بدعت کتنی قبیح چیز ہے اور یہ کہ بدعت، معصیت سے کہیں زیادہ خطرناک اور بری ہے، کیونکہ معصیت تو عمل میں انحراف اور کوتاہی کو کہتے ہیں لیکن بدعت حقیقت میں فکری انحراف، عقیدہ کی کجی، گمراہی اور ایمان کی بربادی کا نام ہے۔

7 قرآن مجید کی جمع وتدوین

بدعت حسنہ کے قائلین کی ساتویں دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد قرآن مجید کی جمع وتدوین عمل میں آئی، اسے مصحف کی شکل میں رکھا گیا اور پھر مصحف عثمانی پر اکتفا کیا گیا۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ ایک بدعت تھی جو صحابہ اور تابعین نے دین میں ایجاد کی، اور یہی ان کے نزدیک بدعت کے مستحسن ہونے کی دلیل ہے۔

لیکن قبل اس کے کہ ہم ان کے اس قول کا جائزہ لیں اور اس کا بطلان لوگوں پر واضح کریں، جمع وتدوین قرآن کے واقعہ کو موثوق اور صحیح دلائل کے ساتھ شرح وبسط سے بیان کر دینا ضروری سمجھتے ہیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں متعدد مقامات پر نیز دیگر ائمہ حدیث نے اپنی اپنی کتابوں میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی یہ روایت نقل کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جنگ یمامہ کے موقع پر مجھے بلایا، میں حاضر ہوا تو عمر بن خطاب بھی ان کے پاس موجود تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا: عمر نے مجھے کہا ہے کہ یمامہ کی جنگ

---

① صحیح بخاری، کتاب الاعتصام، باب اثم من آوی محدثا۔ نیز دیکھئے فتح الباری ۳/ ۲۸۱، رقم: ۷۳۰۶ وصحیح مسلم، کتاب الحج، باب فضل المدینة...... ، رقم: ۱۳۶۶(۳۳۲۳)۔

میں بہت سے قراء (حفاظ قرآن) شہید ہو چکے ہیں اور مجھے ڈر ہے کہ بعض اور مقامات پر اگر اسی طرح حفاظ قرآن ختم ہو گئے تو ان کے ساتھ ہی قرآن مجید کا بہت سا حصہ ضائع ہو جائے گا اس لیے میری رائے ہے کہ آپ قرآن مجید کے جمع کرنے کا حکم دے دیں۔ میں نے عمر سے کہا: ہم وہ کام کیسے کر سکتے ہیں جسے رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی میں نہیں کیا؟ عمر نے جواب دیا: اللہ کی قسم! یہی بہتر ہوگا، عمر بار بار مجھ سے یہی بات کہتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لیے میرا شرح صدر فرما دیا اور عمر کی رائے مجھے پسند آ گئی۔ زید کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا: تم ایک نوجوان اور عقلمند آدمی ہو، ہم تمہیں کسی سلسلہ میں متہم نہیں کرتے اور تم رسول اللہ ﷺ کے کاتب وحی بھی ہو، لہٰذا قرآن کو تلاش کر کے جمع کرو، زید کہتے ہیں: اللہ کی قسم! اگر مجھے کسی پہاڑ کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کا حکم دیا جاتا تو مجھے اتنا گراں محسوس نہ ہوتا جتنا گراں جمع قرآن کا کام محسوس ہو رہا تھا۔ میں نے ابوبکر سے کہا: آپ لوگ وہ کام کیونکر کریں گے جسے رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا؟ انہوں نے فرمایا: اللہ کی قسم یہی بہتر ہوگا۔ پھر ابوبکر مجھ سے بار بار کہتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے سینہ بھی اس کام کے لیے کھول دیا، جس کے لیے ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے سینے کھول دیئے تھے اور میں نے کھجور کی ٹہنیوں، پتھروں اور لوگوں کے سینوں سے قرآن مجید کو اکٹھا کرنا شروع کیا، یہاں تک کہ سورۂ توبہ کا آخری ٹکڑا ﴿لقد جاء كم رسول من انفسكم عزيز عليه ما عنتم﴾ تا ختم سورہ مجھے ابوخزیمہ انصاری کے پاس سے ملا، جو کسی اور کے پاس نہیں تھا۔ چنانچہ یہ صحیفے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی زندگی میں ان کے پاس رہے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ام المومنین حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہما کی جانب منتقل ہو گئے۔ [1]

دوسری روایت حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ہے وہ کہتے ہیں: حذیفہ الیمان رضی اللہ عنہ جو کہ ارمینیا اور آذر بائیجان کی جنگ میں اہل عراق کے ساتھ شامیوں سے غزوہ کر رہے تھے، قرآن مجید کی تلاوت میں لوگوں کے اختلاف سے گھبرا کر حضرت عثمان کے پاس آئے

---

[1] صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن، رقم: ٤٩٨٦۔

اور کہا: اے امیر المومنین! قبل اس کے کہ امت محمدیہ قراءت قرآن کے سلسلہ میں یہود و نصاریٰ کی طرح اختلاف کر بیٹھے آپ اس کا تدارک کیجیے، چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس یہ پیغام بھیجا کہ وہ صحیفے ہمیں دے دیں جنہیں مصاحف میں نقل کرنے کے بعد واپس کر دیا جائے گا۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے وہ صحیفے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مرحمت فرمائے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے زید بن ثابت، عبداللہ بن زبیر، سعید بن عاص اور عبداللہ بن حارث بن ہشام، ان چار آدمیوں کو یہ تاکید فرما دی کہ قرآن میں کسی بھی جگہ اگر تم میں اور زید بن ثابت میں کوئی اختلاف ہو تو اسے قریش کی زبان کے مطابق لکھنا کیونکہ قرآن قریش ہی کی زبان میں نازل ہوا ہے۔ چنانچہ چاروں صحابہ نے ان صحیفوں کو مصحف کی شکل میں نقل کرنے کا کام انجام دیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے صحیفے ان کو واپس کر دیے۔ پھر اسی مصحف سے نسخے تیار کرا کر ہر جگہ بھیجے اور اس کے علاوہ سارے صحیفوں اور مصاحف کو جلا دینے کا حکم دے دیا۔ ❁

مذکورہ بالا دونوں روایتوں پر انصاف کے ساتھ غور کرنے سے درج ذیل امور سامنے آتے ہیں:

الف: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قرآن کے سلسلہ میں جو کیا وہ شریعت کے کسی اصول یا دلیل کے منافی نہیں بلکہ شریعت کے مقاصد کے عین مطابق تھا اور جہاں تک اس بات کا تعلق ہے جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہی تھی یا جو بات حضرت زید رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے دہرائی تھی کہ ہم وہ کام کیوں کر انجام دے سکتے ہیں جسے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا؟ تو ان کا یہ کہنا اس بات کی دلیل نہیں کہ جمع قرآن کے کام کو وہ بھی شریعت کے منافی تصور کرتے تھے، کیونکہ عہد رسالت میں قرآن مجید کو مصحف کی شکل میں یکجا جمع کرنے سے جو چیز مانع تھی وہ یہ کہ قرآن کے بعض احکامات یا تلاوت میں نسخ کا امکان رہتا تھا کیونکہ نزول وحی کا سلسلہ جاری ہی تھا اور اللہ تعالیٰ اپنی مرضی کے مطابق جو چاہتا بدلتا اور جو چاہتا محکم قرار دیتا تھا۔ اس لیے اگر اس وقت قرآن مجید کو مصحف کی شکل

❁ صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن، رقم:٤٩٨٧۔

میں یکجا جمع کرلیا جاتا تو اس میں ہر وقت تغیر وتبدل مشکل ہوتا، لیکن رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد جب نزول وحی کا سلسلہ موقوف ہوگیا، شریعت بھی مکمل ہوگئی اور لوگ قرآن مجید کے سلسلہ میں کسی بھی زیادتی و کمی یا ایجاب وتحریم کے اضافہ سے مطمئن ہوگئے تو اللہ تعالیٰ نے خلفائے راشدین کے دلوں میں یہ بات ڈالی کہ وہ قرآن مجید کی جمع وتدوین کا کام سرانجام دیں اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے اس وعدہ کو پورا کر دکھایا جو اس نے امت محمدیہ کے لیے قرآن مجید کی حفاظت کی بابت فرمایا تھا:

﴿ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۝ ﴾ ①

"یعنی ہم نے ہی قرآن نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔"

چنانچہ جمع قرآن کی ابتدا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مشورہ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ذریعے سے ہوئی، اس سے پہلے قرآن مجید صحیفوں کی شکل میں لکھا ہوا موجود تھا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ يَتْلُوا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۝ ﴾ ②

"یعنی اللہ کے پیغمبر پاک صحیفوں کی تلاوت کرتے ہیں۔"

فرق صرف اتنا تھا کہ وہ صحیفے منتشر اور جدا جدا تھے جیسا کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی یہ روایت گزر چکی ہے کہ "میں نے کھجور کی ٹہنیوں، پتھروں اور لوگوں کے سینوں سے قرآن کو جمع کرنا شروع کیا۔"

ب: صحابہ کرام نے جمع قرآن کا کام اپنی جانب سے نہیں کیا بلکہ درحقیقت حفظ قرآن کے وعدے کی طرح یہ بھی اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ کا ایفا تھا جو اس نے جمع قرآن کے سلسلہ میں فرمایا تھا:

﴿ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ ۝ ﴾ ③

"یعنی اس قرآن کا جمع کرنا اور پڑھوانا ہمارے ذمے ہے۔"

---

① ۱۵/ الحجر:۹۔ ② ۹۸/ البینة:۲۔ ③ ۷۵/ القیامة:۱۷۔

چنانچہ جب ہم سورۂ حجر کی وہ آیت جس میں اللہ تعالیٰ نے حفظ قرآن کا وعدہ فرمایا ہے اور سورۂ قیامہ کی یہ آیت جس میں جمع قرآن کا ذمہ لیا ہے، ملاتے ہیں تو وہی گراں قدر اصول پھر ہمارے سامنے آتا ہے جو گزشتہ صفحات میں ہم پیش کر چکے ہیں کہ جس ذات نے غایت اور عمل مشروع کیا ہے وہ حصول غایت کا ذریعہ یا طریقہ عمل بتانے سے غافل نہیں رہا ہے۔ مثلاً: قرآن مجید کی حفاظت ایک مقصد ہے تو اس کی جمع وتدوین اس مقصد کے حصول کا ذریعہ و وسیلہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمادیا ہے۔ عہد نبوت میں قرآن مجید لکھی ہوئی شکل میں کھجور کی ٹہنیوں، پتھروں اور لوگوں کے سینوں میں منتشر طور پر موجود تھا، لیکن جب صحابہ کرام نے دیکھا کہ یمامہ کی جنگ میں کافی تعداد میں حفاظ قرآن شہید ہو چکے ہیں تو انہوں نے وہ تمام وسائل وذرائع اکٹھے کرکے جن میں قرآن مجید مکتوب شکل میں موجود تھا، قرآن مجید کو ایک مصحف کی شکل میں جمع کر دیا، جو حقیقت میں قرآن کی جمع وحفاظت کے سلسلے میں اللہ رب العالمین کی جانب سے ایک اشارہ تھا۔

ج: تمام صحابہ کرام جمع قرآن کے عمل پر متفق تھے، گویا اس بات پر ان کا کلی اجماع تھا جو یقیناً حجت ہے، کیونکہ اس مقدس جماعت کے بارے میں..... نعوذ باللہ..... یہ تصور نہیں کیا جاسکتا کہ وہ کسی ضلالت (گمراہی) پر متفق ہو سکتی تھی۔

د: جمع قرآن کی بابت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جو کارنامہ انجام دیا وہ ایک ایسا عمل ہے جسے عقل سلیم قبول کرتی ہے، بلکہ کسی بھی صاحب عقل کو اس کے قبول کر لینے میں ذرا تأمل نہ ہوگا، لیکن اس کے برخلاف اس میں ان تعبدی امور کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں جن کے تفصیلی معنی سے عقل قاصر ہو اور یہی وجہ ہے کہ حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ، جنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مصحف کی شکل میں قرآن کو تیار کر لینے کا مشورہ دیا تھا، فرمایا ہے:

"كل عبادة لم يتعبدها اصحاب رسول الله ﷺ فلا تعبدوها، فان الأول لم يدع للآخر مقالاً" ✽

"ہر وہ عبادت جسے رسول اللہ ﷺ کے اصحاب نے نہ کیا ہو اسے تم بھی نہ

✽ السلسلة الضعيفة: ۳۷۲۔

کرو، کیونکہ پہلے لوگوں نے بعد کے لوگوں کے لیے کسی اضافہ کی گنجائش نہیں چھوڑی ہے۔"

ہ: صحابہ کرام نے جمع قرآن کے سلسلے میں جو کچھ کیا اس کا حاصل یہ ہے کہ انہوں نے یا تو ایک امر ضروری کی حفاظت کے وسائل اختیار کیے یا قرآن کے متعلق مسلمانوں کے اختلاف کر بیٹھنے کے ضرر سے انہیں بچایا۔ اوّل الذکر صورت "مالا یتم الواجب الا بہ فھو واجب" (یعنی ہر وہ چیز جس پر کسی واجب امر کی تکمیل کا دارومدار ہو وہ بھی واجب کے حکم میں ہوتی ہے) کے قاعدہ کے تحت اگر واجب تھی تو مؤخر الذکر صورت "درء المفاسد وسد الذرائع" (یعنی مفاسد کو روکنا اور اس کے ذرائع کا سد باب کرنا) کے اصول کی رُو سے ضروری اور ہر دونوں قاعدے اصول اور کتاب وسنت سے ماخوذ و مستفاد ہیں۔

و: یہ وسائل درحقیقت مقصود بالذات نہ تھے بلکہ اس غایت کے حصول کا ذریعہ تھے جس کی مشروعیت کی تنصیص وارد ہے۔

ز: قرآن کی جمع وتدوین، نقل وکتابت، مصحف عثمانی پر اکتفا، مرتدین سے قتل وقتال، اہل کتاب کا جزیرہ عرب سے اخراج، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا اپنے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ نامزد کرنا اور حضرت عمر کا خلافت کو شوریٰ کے حوالے کر دینا نیز دیوان کی تعزیب وغیرہ کا جو کام صحابہ کرام نے انجام دیا وہ سب ایسے مسائل تھے جو پوری امت اسلامیہ کے لیے انتہائی اہم اور ناگزیر تھے۔

مذکورہ بالا نکات کی وضاحت کے بعد یہ حقیقت آشکارا ہو جاتی ہے کہ بدعت، عمل صحابہ کی معارض ہوتی ہے، کیونکہ بدعت میں شریعت کے مصالح کا لحاظ نہیں کیا جاتا بلکہ بدعت ایجاد کرنے والوں کے اپنے ذاتی مفاد اس سے وابستہ ہوتے ہیں۔

ثانیاً: صحابہ نے جو کچھ کیا وہ عقل میں آنے والے اعمال تھے، جب کہ بدعت کا دائرہ صرف تعبدی امور تک محدود ہوتا ہے، اگر اس کا تعلق عادات سے ہے تو بھی عبادت ہی کا پہلو مدنظر ہوتا ہے اور عبادت کا معنی تفصیلی طور پر غیر معقول ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ شارع

نے عبادات کے بیان کو عقل ورائے کے حوالے نہیں کیا بلکہ ان کی ایک حد متعین کردی جس کی پابندی ضروری ہے، اگر عبادت کے معاملات میں ان متعینہ حدود سے تجاوز کیا جائے تو بدعت، اور کوتاہی برتی جائے تو بدعت۔

بدعت وسائل وذرائع کے حکم میں نہیں بلکہ اس سے عبادت مقصود ہوتی ہے اور یہی وہ چیز ہے جو شریعت میں کمی وبیشی کرنے کا سبب بنتی ہے، تنگی اور شدت پیدا کرتی ہے، شریعت کے اصول آسانی اور رفع حرج کے معارض بھی ہے۔

یہ بھی ملحوظ رہے کہ دین کے نام پر جو بدعتیں ایجاد کی گئیں، امت اسلامیہ کو ان کی ضرورت نہ تھی، بلکہ ان لوگوں کے لیے ناگزیر تھیں جو ان کے در پردہ اپنے ذاتی مفادات اور خواہشات کی تکمیل کرنا چاہتے تھے۔

بدعتوں کا معاملہ ہر زمانہ میں مختلف فیہ رہا ہے، کچھ لوگوں نے اگر اسے مستحسن جانا ہے تو دوسروں نے اس کی بھرپور تردید بھی کی ہے، لیکن اس کے برخلاف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جو امور انجام دیئے وہ ان کی متفقہ رائے کے بعد ہی وقوع پذیر ہوئے۔

تفصیل بالا سے ایک متبع سنت کے لیے یہ حقیقت واضح ہوگئی ہوگی کہ صحابہ کے فعل سے اہل بدعت کا ''بدعت حسنہ'' کے لیے حجت پکڑنا صحیح نہیں، بلکہ صحابہ کا عمل خود اہل بدعت کے خلاف حجت اور ان کے عقائد باطلہ کی تردید کرتا ہے۔

8 بدعت کی تقسیم

بعض علما شریعت کے پانچوں احکام واجب، مندوب، مباح، مکروہ اور حرام کو بدعت پر بھی نافذ مانتے ہیں اور اسے ایک مستقل مذموم قسم شمار نہیں کرتے، اس تقسیم کے قائل القرافی ہیں جنہوں نے اپنی کتاب ''الفروق'' میں اس کا ذکر کیا ہے، انہوں نے یہ نظریہ درحقیقت اپنے استاذ عزالدین بن عبدالسلام سے لیا ہے جن کا قول ہے کہ

"البدعة فعل مالم يعهد في عصر الرسول ﷺ وهي منقسمة الى بدعة واجبة وبدعة محرمة و بدعة مندوبة و بدعة

مکروهة وبدعة مباحة۔"

"یعنی بدعت اس فعل کو کہتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں نہ ہوا ہو اور اس کی پانچ قسمیں ہیں: (۱) بدعت واجبہ (۲) بدعت محرمہ (۳) بدعت مندوبہ (۴) بدعت مکروہہ (۵) بدعت مباح۔"

لیکن بدعت کی یہ تقسیم کئی پہلو سے درست نہیں:

الف: اولاً: بدعت کی یہ خود ساختہ تقسیم ہے جس پر کوئی دلیل شرعی موجود نہیں، بلکہ یہ تقسیم اپنی تردید آپ کر رہی ہے، وہ اس طرح کہ بدعت اس فعل کو کہتے ہیں جس کے کسی پہلو پر قطعاً کوئی دلیل شرعی موجود نہ ہو، اگر اس فعل کے وجوب یا ندب یا اباحت یا حرمت یا کراہت پر کوئی دلیل موجود ہے تو پھر وہ فعل بدعت نہیں رہا بلکہ اسی دلیل کے مطابق ایک مشروع امر ہو گیا۔

ب: اس تقسیم کے نتیجہ میں صحیح دلائل سے ثابت شدہ امور اور بدعت کے درمیان اجتماع لازم آتا ہے اور یہ کھلا تضاد ہے۔

ج: رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث "کل محدثة بدعة وکل بدعة ضلالة" اس بات کی قوی دلیل ہے کہ ہر بدعت حرام ہے جو گمراہی کی راہ دکھاتی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں لے جاتی ہے۔

د: تمام بدعتوں کے درمیان گناہ ایک قدر مشترک حیثیت رکھتا ہے، اس لیے یہ فیصلہ نہیں کیا جاسکتا کہ فلاں بدعت گناہ کے اعتبار سے دوسری فلاں بدعت سے کمتر ہے، کیونکہ یہ تفریق محض قیاس ورائے کی بنیاد پر ہے جو خود ایک طرح کی بدعت ہے، اور اس سے بدعات کو ہیچ سمجھنے کا داعیہ پیدا ہوتا ہے، حالانکہ یہ بات گزر چکی ہے کہ یہی چھوٹی چھوٹی بدعتیں بعد میں چل کر بڑی بدعت کی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔

ہ: عزالدین بن عبدالسلام کے قول میں واجب کی جو قسم مذکور ہے اس کا تعلق "ما لا یتم الواجب إلا به فهو واجب" کے اصول کا مقتضی یہ ہے کہ واجب اور بدعت یکساں نہیں ہو سکتے، بلکہ واجب کا شمار ان امور میں ہوگا جن کی حفاظت کرنا شرعاً ضروری ہے۔

رہا مندوب امور کا مسئلہ، تو یہ کسی طرح بھی بدعت نہیں ہو سکتے، مثلاً مدارس یا پل یا فوجی اڈوں کی تعمیر یہ سب کے سب امت اسلامیہ کے لیے دفع ضرر اور حصول منفعت کے وسائل واسباب ہیں۔ چنانچہ فوجی اڈے دشمنوں کے کید ومکر روکتے اور انہیں مرعوب رکھتے ہیں، پل کی افادیت یہ ہے کہ اس سے لوگوں کی نقل وحرکت اور آنے جانے میں آسانی ہوتی ہے اور ان کی نفس وجان محفوظ رہتی ہے اور مدارس کے ذریعے سے طلب علم کے فریضہ کی ادائیگی اور تکمیل ہوتی ہے۔ اسی طرح نماز تراویح بھی ایک سنت ہے، جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ادا فرمایا ہے، جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول "نعمت البدعة هذه" کی تشریح میں اس کا بیان ہو چکا ہے۔ اسی اصول کی روشنی میں دیگر مثالوں کا بھی جائزہ لیا جا سکتا ہے۔ امام شاطبی رحمہ اللہ نے بدعت کی مذکورہ بالا تقسیم پر ردوقدح اور مناقشہ کرتے ہوئے اپنی کتاب "الاعتصام" ① میں بڑی عمدہ اور اہم بحث کی ہے، اہل ذوق مزید تفصیل کے لیے اس کتاب کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔

9 امام شافعی رحمہ اللہ کا قول

بدعت حسنہ کے قائلین کی نویں دلیل یہ ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے بدعت کی تحسین فرمائی ہے، حالانکہ ان لوگوں کو بدعت کی بابت امام شافعی سے مروی اس قول کے سمجھنے میں غلطی ہو رہی ہے:

> "المحدثات من الأمور ضربان: ما أحدث يخالف كتابًا أوسنةً أواثراً أوا جماعا، فهذه البدعة ضلالة، وما احدث من الخير لاخلاف لواحد من هذا فهذه محدثة غير مذمومة، قد قال عمر فى قيام رمضان: نعمت البدعة هذه، يعنى انها محدثة لم تكن واذا كانت فليس فيها ردلما مضى۔" ②

---

① الاعتصام: ۱/ ۱۸۸، ۲۲۰۔

② بیہقی نے مناقب الشافعی: ۱/۴۶۹ میں ربیع بن سلیمان کی سند سے اس روایت کو ذکر کیا ہے، اس میں ایک راوی محمد بن موسیٰ بن فضل ہے، میں نے کسی کو نہیں پایا جس نے اس کا تذکرہ کیا ہو یعنی مجہول ہے۔

"یعنی نئے ایجاد کردہ امور دو طرح کے ہیں، ایک تو وہ جو کتاب اللہ یا سنت رسول یا اثر صحابہ یا اجماع کے خلاف ہو تو یہ بدعت ضلالت ہے، اور دوسرا وہ جو خیر کا کام ہو اور اس سلسلے میں کسی کا اختلاف نہ ہو تو یہ بدعت غیر مذموم ہے، جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قیام رمضان کے بارے میں فرمایا تھا کہ "یہ کیا ہی خوب بدعت ہے" یعنی ایک ایسی چیز ہے جو اس سے پہلے نہیں تھی، اور اگر تھی تو اس سے ماضی کی تردید بھی نہیں ہوتی۔"

اس معنی میں ان کا ایک دوسرا قول بھی مروی ہے:

"البدعة بدعتان: بدعة محمودة و بدعة مذمومة، فما وافق السنة فهو محمود و ماخالف السنة فهو مذموم، واحتج بقول عمر رضي الله عنه في قيام رمضان: نعمت البدعة۔"①

"یعنی بدعت کی دو قسمیں ہیں: ایک بدعت محمودہ اور دوسری بدعت مذمومہ، تو جو کام سنت کے موافق ہو وہ بدعت محمودہ ہے اور جو سنت کے خلاف ہو وہ بدعت مذمومہ ہے، اس کی دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وہ قول ہے جو انہوں نے قیام رمضان کی بابت فرمایا تھا کہ "یہ کیا ہی خوب بدعت ہے۔"

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ان اقوال کے تعلق سے چند گزارشات ہیں:

الف: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی یہ قول اگر صحیح ہے تو حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عموم کا معارض یا مخصص نہیں ہو سکتا، کیونکہ امام شافعی کے اصحاب نے خود انہی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ صحابی کا قول اگر منفرد ہو تو وہ حجت نہیں اور نہ ہی بعد کے لوگوں پر اس کی تقلید واجب ہوتی ہے۔②

ب: دوسری بات یہ ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کب سے بدعت حسنہ کے قائل ہو گئے جب

---

① ابونعیم نے "الحلیہ" ۹/۱۱۳ میں حرملہ بن یحییٰ کی سند سے اس روایت کو نقل کیا ہے، اس میں عبداللہ بن محمد عطشی ہے جس کا تذکرہ خطیب نے اپنی تاریخ میں اور سمعانی نے "الانساب" میں کیا ہے اور کوئی جرح و تعدیل ذکر نہیں کی یعنی یہ مجہول ہے۔ ② ملاحظہ ہو: تخريج الفروع على الاصول للزنجاني الشافعي، ص۱۷۹، بتحقيق محمد اديب الصالح مطبوعة مؤسسة الرسالة۔

کہ ان کی یہ مشہور عبارت موجود ہے، "من استحسن فقد شرع" "یعنی جس نے استحسان کیا اس نے گویا شریعت نکالی۔" ایک اور مقام پر فرمایا: "انما الاستحسان تلذذ" "یعنی استحسان تو ایک طرح کی لذت اندوزی ہے۔" نیز اپنی مشہور تالیف "الام" میں مکمل ایک باب ہی "ابطال الاستحسان" کے عنوان سے قائم کیا ہے۔

لہٰذا جو شخص امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی اقوال کی تفسیر کرنا چاہے اس کے لیے ضروری ہے کہ پہلے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اصول وقواعد کو سمجھنے پر اسی کی روشنی میں ان کے اقوال کی تفسیر کرے، کیونکہ جو شخص کسی فن کی اصطلاحات سے ناواقف ہو وہ اس فن کے علما کے اقوال سمجھ سکتا ہے نہ ان کی صحیح تفسیر کر سکتا ہے۔ مثال کے طور پر "متفق علیہ" ایک اصطلاح ہے، اہل حدیث اسے اس روایت کے لیے استعمال کرتے ہیں جس کی امام بخاری اور امام مسلم دونوں نے بالاتفاق تخریج کی ہو، لیکن ابوالبرکات عبدالسلام بن تیمیہ صاحب "منتقی الاخبار" کے نزدیک "متفق علیہ" سے وہ روایت مراد ہوتی ہے جس کی تخریج پر امام احمد اور امام بخاری اور امام مسلم تینوں کا اتفاق ہو۔

یا مثلاً "الشیخان" کی اصطلاح ہے، مؤرخین اس لفظ کو بول کر حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما مراد لیتے ہیں اور محدثین کے نزدیک اس سے امام بخاری اور امام مسلم مراد ہوتے ہیں، جب کہ شوافع کے نزدیک "الشیخان" کی اصطلاح امام نووی اور رافعی کے لیے خاص ہے۔

ج: امام شافعی کے مذکورہ بالا قول کے تعلق سے تیسری اور آخری گزارش یہ ہے کہ بدعت حسنہ کے قائلین ان کے کلام میں ناحق تحریف کر رہے ہیں اور الفاظ کو توڑ موڑ کر اپنے مطلب کی بات بنانے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں، اس عبارت سے امام شافعی کی مراد کیا ہے؟ اس سلسلہ کی وضاحت ایک بہت بڑے عالم ابن رجب حنبلی نے اپنی گرانقدر تالیف "جامع العلوم والحکم" میں ان الفاظ میں کر دی ہے:

> ومراد الشافعی ما ذکرنا من قبل أن أصل البدعة المذمومة ما لیس له أصل فی الشریعة ترجع الیه وهی البدعة فی

اطلاق الشرع، و اما البدعة المحمودة فما وافق السنة، يعني: ما كان لها أصل من السنة ترجع اليه، وانما هي بدعة لغة لا شرعًا لموافقتها السنة۔"①

"یعنی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی مراد یہ ہے کہ بدعت مذمومہ وہ بدعت ہے جس کی شریعت میں کوئی اصل اور مرجع نہ ہو اور شریعت کی اصطلاح میں درحقیقت یہی بدعت ہے، اور بدعت محمودہ وہ بدعت ہے جو سنت کے موافق ہو، یعنی سنت میں اس کی کوئی دلیل اور مرجع ہو اور یہ صرف لغوی اعتبار سے بدعت ہے، شریعت کی اصطلاح میں اسے بدعت نہیں کہہ سکتے کیونکہ سنت کے موافق ہے۔"

امام ابن رجب حنبلی رحمۃ اللہ علیہ نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کی جو توجیہ کی ہے یہی چیز امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اس استدلال میں بھی نمایاں ہے جو انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول "نعمت البدعة هذه" سے کیا تھا، لہٰذا اسی اصول کی روشنی میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کی تفسیر کی جائے گی اور یہ کہا جائے گا کہ انہوں نے بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرح "بدعت" بول کر بدعت لغوی مراد لیا ہے، بدعت شرعی نہیں، کیونکہ بدعت شرعی تو، کل کی کل ضلالت و گمراہی ہے، جو کتاب اللہ، سنت رسول، آثار صحابہ اور اجماع امت سب کے معارض اور منافی ہے۔

بدعت کی معرفت ضروری ہے

① رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ((كل بدعة ضلالة، و كل ضلالة في النار)) "ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں لے جانے والی ہے۔" سے یہ امر بخوبی واضح ہوتا ہے کہ دین کے نام پر ایجاد کی گئی بدعتوں سے بچنے کی لیے ان کی معرفت ضروری ہے۔ جیسا کہ شاعر نے کہا ہے:

---

① جامع العلوم والحكم، ص: ۲۵۳۔

عرفت الشر لا للشر لكن لتوقيه ومن لم يعرف الخير من الشر يقع فيه

”میں نے شر کی معرفت حاصل کی، لیکن شر کے لیے نہیں بلکہ اس سے بچنے کے لیے اور جو شخص خیر و شر میں تمیز نہ کر سکے وہ شر میں مبتلا ہو جائے گا۔“

یہ ایک ایسا اصولی مسئلہ ہے جس کا تعلق سنت سے وابستہ ہے، چنانچہ حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ

> ”كان الناس يسألون رسول الله ﷺ عن الخير، وكنت أسأل عن الشر مخافة أن يدركني۔“ ①
>
> ”اور لوگ تو رسول اللہ ﷺ سے خیر کے سلسلہ میں سوال کرتے تھے مگر میری حالت یہ تھی کہ میں آپ سے شر کے بارے میں دریافت کیا کرتا تھا، اس ڈر سے کہ کہیں میں شر میں نہ پڑ جاؤں۔“

② عبادت کے سلسلہ میں صرف سنت کی معرفت ہی کافی نہیں بلکہ اس کے ساتھ ہی بدعات کا جاننا بھی ضروری ہے، ٹھیک اسی طرح جیسے کہ ایمان کے لیے توحید کے ساتھ ہی شرک کی معرفت بھی لازمی ہے۔ چنانچہ اس عظیم حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

> ﴿ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۤ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ ﴾ ②
>
> ”یعنی جو شخص طاغوت کے ساتھ کفر کرے اور اللہ پر ایمان لائے اس نے ایسی مضبوط رسی ہاتھ میں پکڑ لی ہے جو کبھی ٹوٹنے والی نہیں اور اللہ سب کچھ سنتا اور سب کچھ جانتا ہے۔“

اللہ پر ایمان اور طاغوت کے ساتھ کفر، یہی وہ بنیادی مسئلہ ہے جس کے لیے انبیا علیہم السلام کی بعثت ہوئی، جیسا کہ ارشاد ہے:

---

① صحيح بخاری، كتاب الفتن، باب كيف الأمر اذا لم تكن جماعة، رقم: ٧٠٨٤؛ صحيح مسلم، كتاب الامارة باب وجوب جماعة المسلمين عند ظهور الفتن، رقم ١٨٤٧، (٤٧٨٤)۔ ② ۔٢/ البقرة: ٢٥٦۔

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ﴾①

”یعنی ہم نے ہر امت میں رسول بھیجے کہ اللہ ہی کی عبادت کرو اور طاغوت کی پرستش سے بچو۔“

چنانچہ اسی مذکورہ حقیقت کو مومنوں نے اپنی زندگی میں نافذ کیا اور ان ہی کے متعلق اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْٓا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى ۚ فَبَشِّرْ عِبَادِ ۝﴾②

”یعنی جنہوں نے اس سے اجتناب کیا کہ بتوں کو پوجیں اور اللہ کی طرف رجوع کیا تو ان کے لیے بشارت ہے، سو میرے بندوں کو بشارت سنا دو۔“

نیز رسول اللہ ﷺ نے اس کی مزید تاکید کرتے ہوئے فرمایا:

((من قال لا الہ الا اللّٰہ وکفر بما یعبد من دونہ، حرم مالہ ودمہ، وحسابہ علی اللّٰہ))③

”جس نے لا الہ الا اللہ کی شہادت دی اور اللہ کے سوا پوجی جانیوالی چیزوں کے ساتھ کفر کیا تو اس کا مال اور خون محفوظ ہو گیا اور اس کا حساب اللہ کے ذمہ ہے۔“

معلوم ہوا کہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ نے صرف توحید پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ اس کے ساتھ ہی غیر اللہ کا انکار بھی ضروری قرار دیا جس کے لیے کفر و شرک کی معرفت لازمی ہے ورنہ غیر شعوری طور پر شرک میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ باقی رہے گا۔ اللہ رب العالمین کا ارشاد ہے:

﴿وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ۝﴾④

”یعنی ان میں سے بہت سے لوگ اللہ پر ایمان نہیں رکھتے مگر اس حال میں

---

① ١٦/ النحل:٣٦۔ ② ٣٩/ الزمر:١٧۔ ③ صحیح مسلم کتاب الایمان، باب الأمر بقتال الناس حتیٰ یقولوا لا الہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ رقم: ٢٣ (١٣٠)۔

④ ١٢/ یوسف:١٠٦۔

کہ وہ اس کے ساتھ شرک بھی کرتے ہیں۔"

ٹھیک یہی معاملہ سنت وبدعت کا بھی ہے کہ سنت پر کامل طریقے سے عمل کرنے کے لیے بدعت کی معرفت بھی ضروری ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کی اس مشہور وصیت سے ثابت ہوتا ہے، جو حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ نے آپ سے روایت کی ہے:

> ((فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين عضوا عليها بالنواجذ وإياكم ومحدثات الأمور، فان كل بدعة ضلالة)) [1]
>
> "تم میری سنت کو لازم پکڑو اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کا طریقہ اپناؤ، اسی پر مضبوطی سے کاربند رہو اور دین میں ایجاد کی گئی بدعتوں سے بچو، کیونکہ ہر بدعت گمراہی ہے۔"

اس حدیث میں آپ نے اتباع سنت کے ساتھ ہی بدعات سے اجتناب کرنے کا بھی حکم دیا ہے، اور دراصل یہ ایک مسلمہ حقیقت بھی ہے کہ کسی چیز کی معرفت اس کی نقیض کو جانے بغیر مکمل نہیں ہوتی۔ چنانچہ ابن قتیبہ دینوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

> "حکمت وقدرت اسی وقت تکمیل کو پہنچتی ہے جب کسی چیز کے ساتھ ہی اس کی ضد بھی پیدا کردی جائے، تاکہ ہر ایک کو اس کے مقابل کے ذریعے سے پہچانا جاسکے، مثلاً نور ہے جو ظلمت سے پہچانا جاتا ہے، علم کو جہالت سے، خیر کو شر سے، نفع کو نقصان سے، اور شیریں کو تلخی سے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا یَعْلَمُوْنَ۝﴾ [2] "یعنی پاک ہے وہ ذات جس نے زمین کی نباتات کے اور خود ان کے اور جن چیزوں کی ان کو خبر نہیں، سب کے جوڑے بنائے" اس آیت میں ازواج سے مراد اصناف واضداد ہیں، مثلاً

---

[1] سنن ابی داود، کتاب السنة، رقم:۲٦۷٦، باب فی لزوم السنة، رقم:٤٦٠۷؛ جامع ترمذی، ابواب العلم، باب الاخذ بالسنة واجتناب البدعة وسنده صحیح۔

[2] ۳٦/ یٰسن:۳٦۔

> مذکر و مونث اور خشک وتر وغیرہ، جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: ﴿وأنه خلق الزوجين الذكر والأنثى﴾ ”یعنی اس نے دو جوڑے پیدا کیے، مذکر اور مؤنث۔“ ①

یہی حقیقت کلمہ شہادت ”لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ“ میں بھی ملحوظ ہے۔ شہادت کا پہلا کلمہ ”لا الہ الا اللہ“ سلب و ایجاب یا نفی و اثبات دونوں کا پہلو لیے ہوئے ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے غیر اللہ سے الوہیت کی نفی کی گئی ہے، اس کے بعد اللہ معبود برحق کے لیے اس کا اثبات کیا گیا ہے، اسی طرح دوسرے کلمہ ”محمد رسول اللہ“ میں رسول اللہ ﷺ کے علاوہ ہر شخص سے اتباع کو سلب کر کے آپ کے لیے خاص کر دیا گیا ہے۔ گویا شہادت اولیٰ ”لا الہ الا اللہ“ کا مطلب یہ ہوا کہ ”کوئی معبود برحق نہیں سوائے اللہ کے“ اور شہادت ثانیہ ”محمد رسول اللہ“ کا یہ کہ ”کوئی متبوع برحق نہیں سوائے رسول اللہ ﷺ کے۔“

③ مذکورہ تفصیل کی روشنی میں دعاۃ و مبلغین پر یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ مسلمانوں کو شرک و بدعات سے دور رہنے کی تلقین کریں اور توحید و سنت کی طرف بلائیں کہ اسی اصول پر دعوت الی اللہ کی بنیاد ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

> ﴿ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۚ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ ﴾ ②

> ”یعنی تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے اور اچھے کام کرنے کا حکم دے اور برے کاموں سے منع کرے، یہی لوگ ہیں جو نجات پانے والے ہیں۔“

لوگوں کو توحید و سنت کی دعوت دینا ہی امر بالمعروف ہے اور انہیں شرک و بدعات سے روکنا ہی نہی عن المنکر ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے اسی فریضہ کی ادائیگی کے صلہ میں اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کو خیر الامم کے لقب سے نوازا اور تمام امتوں سے افضل

---

① تاویل مختلف الحدیث لابن قتیبه، ص: ١٤، مطبوعه دار الکتاب العربی، بیروت۔

② ٣/ آل عمران: ١٠٤۔

قرار دیا ہے فرمایا:

﴿ كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ﴾ ①

”یعنی جتنی امتیں لوگوں میں پیدا ہوئیں ان میں تم سب سے بہتر ہو، کہ نیک کام کرنے کو کہتے ہو اور برے کاموں سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔“

ہمیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ مذکورہ حقیقت آج کی اکثر و بیشتر اسلامی جماعتوں کی نگاہ سے اوجھل ہے۔ ② اور اس کا سبب یہ ہے کہ وہ جماعتیں بدعت سازی کے اسباب سے ناواقف اور بدعت کے برے انجام سے غافل ہیں۔

بدعت سازی کے اسباب

دین کے نام پر بدعت ایجاد کرنے کے متعدد اسباب و وجوہات ہیں:

① سنت مطہرہ اور اصول حدیث سے ناواقفیت، کہ جس کے نتیجہ میں آدمی صحیح اور ضعیف یا سلیم اور سقیم حدیث کے درمیان تمیز نہ کر سکے اور ضعیف و موضوع حدیثیں بکثرت رائج ہو جائیں۔ مثلاً: عقیدۂ وحدۃ الوجود کی بدعت کا دارومدار اس موضوع روایت پر ہے۔

"ما وسعتنی سمائی ولا أرضی ولکن وسعنی قلب عبدی المؤمن۔" ③

”میں آسمان و زمین میں تو نہ سما سکا لیکن میرے مومن بندہ کے دل نے مجھے اپنے اندر سما لیا۔“

اسی طرح ”نور محمدی“ کے عقیدہ کا دارومدار یہ موضوع و مکذوب روایت ہے:

"أول ما خلق الله نور نبيك يا جابر۔" ④

---

① ۳/ آل عمران: ۱۱۰۔ ② تفصیل کے لیے دیکھئے: مؤلف کی کتاب "مؤلفات سعید حوی دراسات وتقویم ص: ۱۲۸، ۱۳۲۔ ③ تذکرۃ الموضوعات للفتنی: ۳۰۔

④ تذکرۃ الموضوعات للفتنی، ص: ۸۶۔

''یعنی اے جابر! اللہ نے سب سے پہلے تیرے نبی کا نور پیدا کیا۔''

یا مثلاً ''لو لاك ما خلقت الافلاك'' [1] ''اے محمد اگر آپ نہ ہوتے تو میں کائنات کو پیدا نہ فرماتا۔'' کی جھوٹی اور گھڑی ہوئی روایت کی بنیاد پر لوگوں میں عام طور پر یہ عقیدہ پایا جاتا ہے کہ کائنات اور ساری مخلوقات کی تخلیق صرف آپ ﷺ کی وجہ سے ہوئی اور خود اس روایت کو گھڑنے والا اس حقیقت سے جاہل رہا کہ اگر کائنات نہ ہوتی تو رسول اللہ ﷺ کی بعثت بھی نہ ہوتی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۝﴾ [2]

''یعنی اے محمد! ہم نے تم کو سارے جہان کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔''

[2] بدعت کی ایجاد و ترویج کا دوسرا سبب یہ ہے کہ لوگ جاہل سرداروں کو اپنا پیر و مرشد مان لیں، جو انہیں فتوے دیں اور اللہ کے دین میں بے علم باتیں کہیں اور یہیں سے وہ بدعتیں جنم لیں جو عقیدہ کی گمراہی، فکری کجی اور خواہشات نفسانیہ کا نتیجہ ہوں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

> ((ان اللّٰه لا يقبض العلم ينتزعه انتزاعًا من العباد، ولكن يقبض العلم بقبض العلماء، حتى اذا لم يبق عالمًا اتخذ الناس رؤوسًا جهالاً، فأفتوا بغير علم، فضلوا وأضلوا)) [3]
>
> ''اللہ تعالیٰ علم اس طرح نہیں اٹھائے گا کہ بندوں سے چھین لے، بلکہ اس طرح کہ علما کو قبض کر کے ان کا علم اٹھا لے گا، پھر جب کوئی عالم باقی نہ بچے گا تو لوگ جاہل پیشوا متعین کر لیں گے جو بغیر علم کے فتویٰ دیں گے، نتیجہ یہ ہوگا کہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔''

ایک دوسری حدیث میں اسی چیز کو قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی قرار دیا گیا ہے فرمایا:

---

[1] الموضوعات لملا علی قاری: ۳۸۵۔ [2] ۲۱/ الانبیاء: ۱۰۷۔

[3] صحیح بخاری، کتاب العلم، باب کیف یقبض العلم، رقم: ۱۰۰؛ صحیح مسلم، کتاب العلم، باب رفع العلم و قبضه، رقم: ٦٧٩٦، (٢٦٧٣)۔

((ان من أشراط الساعة ان يلتمس العلم عند الأصاغر)) ①

''قیامت کی ایک نشانی یہ ہے کہ لوگ ''اصاغر'' کے پاس علم کی تلاش کرنے لگیں۔''

''اصاغر'' کی تفسیر میں امام عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"الأصاغر: أهل البدع۔" ②

''حدیث رسول میں ''اصاغر'' سے مراد اہل بدعت ہیں۔''

③ بدعت کی ترویج کا تیسرا سبب وہ عادات وخرافات ہیں جن کی نہ تو کوئی شرعی دلیل ہے نہ ہی عقل سلیم انہیں قبول کرتی ہے۔ مثلاً: سینہ کوبی اور نالہ وفریاد کی بدعتیں، جیسا کہ شاعر نے کہا ہے:

ثلاثة تشقى بهن الدار   العرس والمأتم ثم الزار

''یعنی تین چیزیں گھر کی شقاوت و بدبختی کا سبب ہیں: عرس، ماتم اور نالہ و فریاد۔''

④ بدعت کی ترویج کا چوتھا سبب تقلید اور ائمہ مجتہدین کے بارے میں عصمت کا عقیدہ رکھنا یا مشائخ کو انبیا علیہم السلام کے مرتبہ سے قریب تر تقدس واحترام کا درجہ دے دینا ہے۔ ③

⑤ پانچواں سبب متشابہ آیات واحادیث کے پیچھے پڑنا اور ان کا اتباع کرنا ہے۔ چنانچہ اس کی مذمت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ﴾ ④

''یعنی وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی ہے وہ متشابہات کا اتباع کرتے ہیں، تاکہ فتنہ برپا کریں اور مراد اصلی کا پتہ لگائیں۔''

---

① سلسلة الاحاديث الصحيحة: ٦٩٥۔ ② كتاب الزهد لعبدالله بن مبارك، ص: ٢١، ٢٨١۔ ③ تفصیل کے لیے رجوع کیجیے: هدية السلطان الى مسلمى بلاد اليابان، بتحقيق مؤلف۔ ④ ٣/ آل عمران: ٧۔

اہل بدعت کا عبرتناک انجام

بدعت کے پرخطر ہونے کے لیے یہی دلیل کافی ہے کہ ایک بدعتی کا انجام دنیا اور آخرت دونوں جگہ کے اعتبار سے نہایت ہی برا اور عبرتناک ہے۔ چنانچہ:

① بدعتی کا عمل قبول نہیں ہوتا، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((من احدث في امرنا ماليس منه فهورد)) ①

''جس کسی نے ہمارے امر دین میں کوئی ایسی چیز ایجاد کی جو دین سے نہیں تو وہ قابل رد ہے۔''

بالخصوص بدعت کو مستحسن جاننے والوں کی بابت اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ۝ الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا ۝﴾ ②

''یعنی کہہ دو کہ تمہیں بتائیں جو عملوں کے لحاظ سے بڑے نقصان میں ہیں، وہ لوگ جن کی سعی دنیا کی زندگی میں برباد ہوگئی اور وہ یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ اچھے کام کر رہے ہیں۔''

② بدعتی جب تک بدعت پر مصر رہتا ہے اور اس سے باز نہیں آجاتا اس وقت تک اللہ کے دربار میں اس کی توبہ قبول نہیں ہوتی اور اس کے برے خاتمہ کا اندیشہ باقی رہتا ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"ان الله حجب التوبة عن كل صاحب بدعة حتى يدع بدعته۔" ③

''اللہ تعالیٰ کسی بھی بدعتی کی توبہ قبول نہیں کرتا یہاں تک کہ وہ بدعت سے باز نہ آجائے۔''

③ بدعتی حوضِ کوثر پر جاسکے گا نہ ہی اسے رسول اللہ ﷺ کی شفاعت نصیب ہوگی،

---

① صحیح بخاری كتاب الصلح، باب اذا اصطلحوا على صلح جور فهو مردود رقم: ٢٦٩٧؛ صحيح مسلم كتاب الاقضية، باب نقض الاحكام الباطلة ورد محدثات الأمور رقم: ١٧١٨ (٤٤٩٢)۔ ② ١٨/ الكهف: ١٠٣، ١٠٤۔

③ سنن ابن ماجه، مقدمة، باب اجتناب البدع والجدل رقم: ٥٠ وسنده ضعيف۔

آپ نے فرمایا:

((انا فرطكم على الحوض، ليعرفن رجال منكم حتى اذا أهويت لأناولهم اختلجوا دوني، فأقول: اى رب! اصحابي، فيقول: لا تدرى ما أحدثوا بعدك)) ①

''یعنی حوض کوثر پر میں تمہارا منتظر رہوں گا، تم میں سے کچھ لوگ آئیں گے جنہیں میں پہچان لوں گا، لیکن جیسے ہی انہیں لینے کے لیے بڑھوں گا وہ مجھ سے روک لیے جائیں گے، میں کہوں گا کہ اے پروردگار! یہ میرے امتی ہیں، اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ آپ کو نہیں معلوم کہ آپ کے بعد انہوں نے دین میں کیا کیا بدعتیں ایجاد کی تھیں۔''

ایک دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا:

((انك لا تدرى ما بدّلوا بعدك، فأقول: سحقًا لمن بدّل بعدى)) ②

''یعنی جب میں کہوں گا کہ پروردگار! یہ میری امت ہیں، تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ آپ نہیں جانتے کہ آپ کے بعد انہوں نے دین میں کیا کیا تبدیلیاں کی تھیں۔ چنانچہ میں بھی کہوں گا کہ دوری ہو ان لوگوں کے لیے جنہوں نے میرے بعد دین میں تبدیلیاں کیں۔''

ملحوظ رہے کہ حدیث بالا ان روافض کے لیے قطعاً حجت نہیں بن سکتی جو حضرت علی، ابوذر، مقداد، سلمان، عمار بن یاسر اور حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہم کے سوا باقی سارے صحابہ کی تکفیر کرتے ہیں۔ ③

---

① صحيح بخارى، كتاب الفتن، باب رقم: ٧٠٤٩؛ صحيح مسلم، كتاب الصلوٰة، باب حجة من قال البسملة آية من اول كل سورة......، رقم: ٤٠٠ (٨٩٤)۔

② صحيح بخارى، كتاب الفتن، باب ١، رقم: ٧٠٥٠؛ ٧٠٥١؛ صحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب استحباب اطالة الغرة والتحجيل فى الوضوء، رقم: ٢٤٩ (٥٨٤)۔

③ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو "تاویل مختلف الحدیث" ص: ١٥٨۔

28 ایک بدعتی اپنے گناہ کے ساتھ ہی قیامت تک پیدا ہونے والے ان تمام لوگوں کے گناہ کا بھی ذمہ دار ہوتا ہے جو اس کی ایجاد کردہ بدعت پر چلیں گے، ارشاد الٰہی ہے:

﴿لِيَحْمِلُوٓا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۙ وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ﴾ ①

''یعنی قیامت کے دن یہ اپنے اعمال کے پورے بوجھ بھی اٹھائیں گے اور جن کو یہ بے تحقیق گمراہ کرتے ہیں ان کے بوجھ بھی۔''

نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((من سن في الاسلام سنة سيئة كان عليه وزرها ووزر من عمل بها من بعده، من غير ان ينقص من أوزارهم شيء)) ②

''جس نے اسلام کے اندر کوئی برا طریقہ رائج کیا تو اس شخص پر خود اس کا بھی گناہ ہوگا اور اس کے بعد اس طریقہ پر چلنے والوں کا گناہ بھی، لیکن اس برے طریقہ پر چلنے والوں کے اپنے گناہ میں کوئی کمی نہ ہوگی۔''

اس حدیث کے اندر برا طریقہ رائج کرنے والے کو دوسروں کے گناہ کا ذمہ دار اس لیے قرار دیا گیا ہے کہ اس نے برا طریقہ رائج کر کے دوسروں کو اس پر چلنے کا موقع فراہم کیا اور یہی حال بدعت کا بھی ہے، لہٰذا بندے کو اپنے رب سے ڈرنا چاہیے اور یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ کوئی بھی بدعت ہو رفتار زمانہ کے ساتھ ہی وہ بھی لوگوں کے درمیان پھیلتی، بڑھتی اور ہمہ گیر ہوتی جاتی ہے اور بدعت ایجاد کرنے والے پر اسی کے مطابق گناہ بھی ہوگا ثانیاً بدعتیں اپنے مقابل میں سنتوں کو مٹاتی ہیں۔ اس لیے ایک بدعتی پر اس کا گناہ بھی ہوگا جو بدعت ایجاد کرنے کے گناہ سے کہیں زیادہ بھاری ہے۔

اس سلسلہ میں ہم خوارج کی بدعت ہی کو بطور مثال پیش نظر رکھیں جن کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا تھا:

((يمرقون من الدين كما يمرق السهم من الرمية)) ③

---

① ١٦/ النحل: ٢٥۔ ② حوالہ گزر چکا ہے۔

③ صحیحین کے حوالے سے حدیث پہلے مذکور ہو چکی ہے۔

''وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر اپنے شکار سے باہر نکل جاتا ہے۔''

ظاہر ہے کہ اس کا واحد سبب دین میں ان کا بدعت ایجاد کرنا تھا، جیسا کہ حدیث میں اس جانب اشارہ موجود ہے:

((يقتلون اهل الاسلام ويتركون أهل الاوثان، لئن أدركتهم لاقتلنهم قتل عادٍ)) ①

''وہ اہل اسلام کو قتل کریں گے اور مشرکوں کو چھوڑ دیں گے، اگر میں انہیں پاتا تو قتل عاد کی طرح انہیں قتل کرتا۔''

⑤ بدعتی کا ایک بڑا خسارہ یہ ہے کہ وہ شریعت کی نگاہ میں ملعون ہو جاتا ہے، جیسا کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

((من احدث فيها أو آوىٰ محدثا فعليه لعنة الله والملائكة والناس أجمعين)) ②

''جس نے دین میں کوئی بدعت ایجاد کی یا کسی بدعتی کو پناہ دی تو اس پر اللہ کی لعنت، فرشتوں کی لعنت اور سارے لوگوں کی لعنت ہو۔''

⑥ بدعتی دن بہ دن اللہ سے دور ہوتا جاتا ہے، چنانچہ درج ذیل صحیح حدیث میں اس کی وضاحت موجود ہے:

((تحقرون صلاتكم مع صلاتهم وصيامكم مع صيامهم...... يمرقون من الدين كما يمرق السهم من الرمية......)) ③

''تم ان کی نمازوں کے سامنے اپنی نماز کو اور ان کے روزوں کے بالمقابل اپنے روزوں کو حقیر جانو گے...... مگر ان کی حالت یہ ہوگی کہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر اپنے شکار سے باہر نکل جاتا ہے......'' اس حدیث میں آپ نے بدعات کے سلسلہ میں خوارج کی محنت وانہماک کا ذکر فرمایا اور آخری ٹکڑے میں ان کی دین سے بیزاری اور اللہ سے دوری بیان فرمائی۔

---

① حدیث کا حوالہ پہلے گزر چکا ہے۔ ② حوالہ گزر چکا ہے۔ ③ حوالہ گزر چکا ہے۔

⑦ بدعتی کی شہادت ناقابل قبول ہوگی۔ وہ بدعتی جو لوگوں کو بدعت کی طرف بلا رہا ہو، اسے اس فعل کی سزا ملنی چاہیے، تاکہ لوگوں کو اس کے شر اور ضرر رسانیوں سے محفوظ رکھا جا سکے، اور اس کی کم سے کم سزا یہ ہے کہ اس کا بائیکاٹ کر دیا جائے۔ دین کے معاملہ میں اس کا کوئی مقام نہ ہو، اس سے نہ علم حاصل کیا جائے، نہ فتویٰ لیا جائے اور نہ ہی اس کی شہادت قبول کی جائے۔ اسی بنا پر تمام محدثین، فقہا اور اہل اصول کا اس بات پر اتفاق ہے کہ وہ بدعتی جو درجۂ کفر تک پہنچ گیا ہو اس کی روایت قبول نہیں کی جائے گی، البتہ وہ بدعتی جس کی بدعت کفر تک پہنچی ہوئی نہ ہو اس کی روایت قبول کرنے اور نہ کرنے کے سلسلہ میں اختلاف ہے، تاہم اہل اصول حدیث اس بدعتی کی روایت قبول نہیں کرتے جو اپنے مذہب اور اس مذہب کے ماننے والوں کی حمایت و تائید میں جھوٹ بولنا جائز سمجھتا ہو، چنانچہ یہی قول امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے، انہوں نے فرمایا:

"أقبل شهادة أهل الأهواء الا الخطابية۔" ①

"میں اہل ہوا (یعنی بدعتیوں) کی شہادت مان لیتا ہوں، البتہ خطابیہ کی نہیں مانتا، کیونکہ وہ اپنے موافقین کی نصرت و تائید میں جھوٹی گواہی دینا بھی جائز سمجھتے ہیں۔"

بدعتی کی روایت قبول کرنے اور نہ کرنے کے سلسلہ میں بعض علما نے یہ تفریق کی ہے کہ اگر وہ اپنی بدعت کی جانب لوگوں کو دعوت نہیں دے رہا ہے تو اس کی روایت قبول کر لی جائے گی، لیکن اگر لوگوں کو بدعت کی طرف بلا رہا ہے تو اس کی روایت رد کر دی جائے گی۔ چنانچہ اسی قول کی تائید کرتے ہوئے علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"الأمثل الأعدل الصحيح ، ولهذا لم يخرج اهل الصحيح لمن كان داعية ، لكن رووا هم وسائر أهل العلم عن كثير ممن يرىٰ فى الباطن رأى القدريه والمرجئة والشيعة والخوارج۔" ②

---

① ملاحظہ ہو: مقالات الاسلاميين، ج١ ، ص: ٧٥؛ الملل والنحل: ١/ ١٧٩؛ الفرق بين الفرق ، ص: ٢٤٧۔ ② شرح مسلم للنووى، ١/ ٦٠ ، مطبوعة دار احياء التراث العربى ، نيز كتاب الايمان لابن تيمية ، ص: ٣٦٩۔

> ”یعنی مذکورہ بالا قول ہی سب سے مناسب اور صحیح ہے، اور یہی وجہ ہے کہ اہل صحاح نے بدعت کی طرف بلانے والے شخص کی روایت تو نہیں لی مگر انہوں نے اور دیگر اہل علم نے بھی ایسے بے شمار لوگوں کی روایتیں قبول کرلیں جو باطنی طور پر قدریہ یا مرجیہ یا شیعہ یا خوارج کا عقیدہ رکھتے تھے۔“

اہل بدعت سے اجتناب

دینی بھائیو! بدعت کے تعلق سے مذکورہ تفاصیل کے بعد جب یہ بات واضح ہوگئی کہ بدعت معصیت سے کہیں زیادہ بری چیز ہے اور یہ کہ بدعت کفر کی جڑ ہے تو ایک مسلمان کے لیے ضروری ہوجاتا ہے کہ اہل بدعت سے دور رہ کران پر نکیر کرے، ان سے بائیکاٹ رکھے اوران کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے سے بچے۔ اللہ رب العالمین کا ارشاد ہے:

﴿ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۗ ﴾ ①

> ”یعنی ان لوگوں کی طرح نہ ہوجانا جو متفرق ہوگئے اور واضح احکام کے آجانے کے بعد ایک دوسرے سے اختلاف کرنے لگے۔“

نیز فرمایا:

﴿ إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ ۚ ﴾ ②

> ”یعنی جن لوگوں نے اپنے دین میں بہت سے رستے نکال لیے اور کئی کئی فرقے ہوگئے ان سے تم کو کچھ کام نہیں۔“

امام شاطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ اہل بدعت سے عداوت رکھیں، ان کے عیوب واضح کریں اور اہل سنت میں سے جو شخص ان سے جا ملے اسے قتل کرکے یا اس سے کم تر کوئی سزا دیں، علما نے اہل بدعت کے ساتھ رہنے اور ان کی مجلس میں اٹھنے بیٹھنے سے منع فرمایا ہے، کیونکہ بدعتی اس طریقہ سے اہل سنت کے درمیان بغض وعداوت پیدا کرسکتے ہیں۔ لیکن یہ سزا صرف ان ہی لوگوں کے لیے ہے جو مومنین کی راہ سے ہٹ کر بدعت ایجاد کرکے اہل سنت کی جماعت سے نکل چکے ہیں۔ عداوت رکھنے کا یہ رویہ تمام اہل بدعت

---

① ٣/ آل عمران:١٠٥۔ ② ٦/ الانعام:١٥٩۔

کے ساتھ یکساں اختیار نہیں کیا جائے گا، کیونکہ ہم کو تو ان کے ساتھ عداوت و دشمنی رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ جب کہ وہ ہمارے ساتھ تعلقات برقرار رکھنے اور اہل سنت کی طرف دوبارہ واپس چلے آنے کے مکلف ہیں۔ [1]

---

[1] الاعتصام للشاطبی: ۱/ ۱۲۰۔

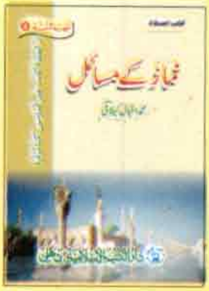
نماز کے مسائل

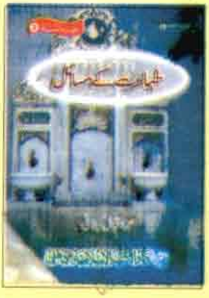
طہارت کے مسائل

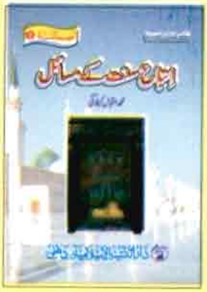
اتباع سنت کے مسائل

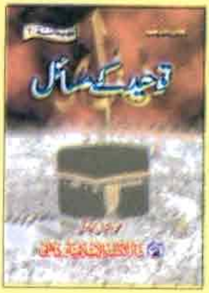
توحید کے مسائل

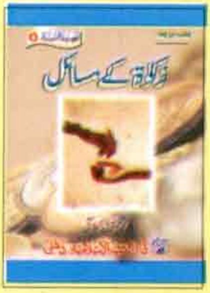
زکوٰۃ کے مسائل

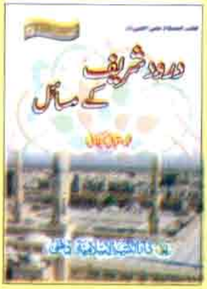
درود شریف کے مسائل

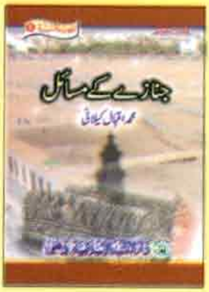
جنازے کے مسائل
محمد اقبال کیلانی

طلاق کے مسائل

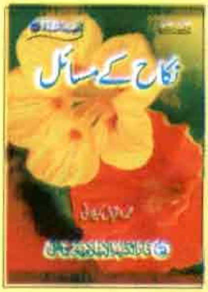
نکاح کے مسائل

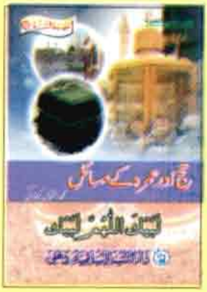
حج اور عمرہ کے مسائل

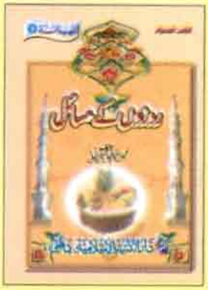
روزوں کے مسائل

فضائل قرآن مجید

قبر کا بیان
محمد اقبال کیلانی

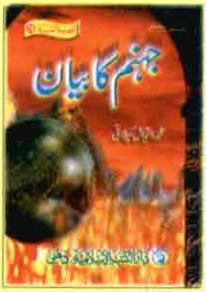
جہنم کا بیان

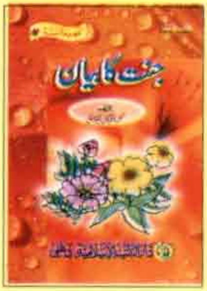

دار الکتب الاسلامیۃ، دہلی

DARULKUTUB-AL-ISLAMIA

419, Urdu Market, Matia Mahal, Jama Masjid, Delhi-110 006
Ph. : (O) 23269123, Fax : 23269123
E-mail : darulkutub@hotmail.com